ماہنامہ آواز کا دائرہ عمل

الف۔ مذہبی (۱) تبلیغ اسلام (۲) فرقہ ہائے اسلام میں اتحاد پیدا کرنا (۳) مذاہب عالم کے بانیوں کا احترام کرنا (۴) مذاہب عالم کی اصلی تعلیم کو انکے حقیقی رنگ میں پیش کرنا (۵) دنیا میں اسلام کے امن و سلامتی کے اصول پیش کرنا

ب اخلاقی مضامین کو بالکل جاذب و جدید رنگ میں پیش کرنا۔

ج۔ علمی معلومات و تحقیقات جدید پر مقالات و تبصرے۔

د۔ دورحاضرہ کے مسائل عمومی سے بالکل غیر جانبدارانہ طریقہ پر قارئین "آواز" کو باخبر رکھنا۔

قواعد دفتر ماہنامہ آواز

(۱) ماہنامہ ہذا کا ہر پرچہ ماہ ہلالی کے پہلے عشرہ میں شائع ہوگا۔ (۲) اگر کسی خریدار کو اس مہینے کی آخری تاریخ تک پرچہ وصول نہ ہو تو دفتر ہذا کو عدم وصول کی اطلاع دیکر دوسرا پرچہ مفت طلب کیا جا سکتا ہے ورنہ دوسرے ماہ کا پرچہ شایع ہو جانے کے بعد عدم وصول کی ذمہ داری دفتر ہذا پر نہیں رہیگی اور قیمت پرچہ ادا کرنی پڑے گی۔ (۳) سالانہ چندہ ہر حالت میں پیشگی وصول کیا جائیگا۔ رقم کا بذریعہ منی آرڈر بھیجنا یا وی پی پر قیمت ادا کرنا خریدار کی سہولت اور مرضی پر منحصر ہے (۴) مقام تبدیل فرمائیں تو دفتر ہذا کو مطلع کیجئے تاکہ صحیح پتہ سے پرچہ بھیجا جا سکے (۵) استفساری امور کے لئے جوابی خط لکھنا ضروری ہے۔

قابل توجہ مضامین نگار حضرات

(۱) بلحاظ مقاصد مضامین کو شائع کرنے نہ کرنے کا حق ادارہ کو حاصل رہے گا۔

(۲) ہر مضمون نگار کے خیال کے ساتھ ادارہ کا متفق الرائے ہونا ضروری نہیں ہے۔

(۳) ہر مرسلہ مضمون دفتر ہذا کے اخراجات سے واپس نہیں کیا جائے گا۔

ایک سال کیلئے پرچہ مفت

(۱) ہر ایسے خریدار جو اپنے زمانہ خریداری میں (۵) خریدار پیدا کرے۔

(۲) یا ایسے غیر خریدار جو دس خریدار پیدا کرے تو انکی خدمت میں ایکسال تک پرچہ مفت ارسال ہوگا۔ اور شکریہ

مشتہرین

اشتہار کے لئے خط و کتابت سے نرخنامہ اجرت طبع طے فرمالیں تو مناسب ہو گا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین ماہنامہ آواز جلد (۴) شمارہ (۳)

بابتہ ماہ شوال المکرم ۱۳۶۱ ہجری

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِن مَّكَانٍ قَرِيبٍ يَوْمَ يَسْمَعُونَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوجِ (ق)

ترجمہ:- سن جس دن پکارنے والا نزدیک جگہ سے پکارے گا۔ جس دن چیخ کو حق کیساتھ سنیں یہ وہی نکل پڑنے کا دن ہے۔

جلد ۴
شمارہ ۲
بابتہ ماہ شوال المکرم
سنہ ۱۳۶۱ ہجری

ماہنامہ آواز

سکندرآباد دکن

خلافت بشرہ سیاسی مرض کا علاج ہے

نظام عالم بدل رہا ہے۔ اقوام کی تقدیر کا زائچہ ایک نئی صورت اختیار کر رہا ہے۔ ہر گھڑی انقلاب پیدا کر رہی ہے۔ اگر کچھ دیر ٹھیر جاتی ہے تو ایک نئے انقلاب کی خبر لاتی ہے۔ کتنے آزاد تھے جو غلام بنائے گئے۔ کتنے امن میں تھے جو بدامنی کا شکار ہوئے۔ دنیا نہایت ہی تیزی کے ساتھ انقلاب سے گذر رہی ہے اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ موجودہ انقلاب کے کیا نتائج اور عواقب ہوں گے؟ قدرت کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ موسم گرما کی تپش یقیناً ہمارے لئے باعث پریشانی ہے۔ موسم سرما ہمارے آرام میں خلل ڈالتا ہے۔ لیکن کیا کوئی ان موسموں کی افادیت سے انکار کر سکتا ہے! کیا موسموں کی تبدیلی اور انکی خاصیتوں کے بغیر انسان غذا مہیا کر سکتا اور زندہ رہ سکتا ہے؟ قدرت تھوڑی سی تکلیف میں ہمارے لئے بڑے آرام کے سامان فراہم کر دیتی ہے، اگر اشیاء کائنات کی تبدیلی میں انسانی زندگی کا راز پوشیدہ ہے۔ اور موسموں کی تبدیلی انسانی حیات کیلئے ناگزیر ہے۔ اور دنیا میں تغیر ہی کو ثبات ہے۔ تو اقوام پر نئے نئے زمانوں کا آنا۔ اور حالات کا بدلنا در حقیقت قوموں کی زندگی ہی کے لئے ہے۔ مصائب انسان کے لئے تازیانہ عبرت اور وہ مہمیز ہوتے ہیں جو انسان کو شاہراہ ترقی پر تیزی سے چلاتے ہیں۔

ہندوستان ــ برسوں کا غلام ہندوستان ــ پھر ایک بار قفس محکومی میں پھڑپھڑا کر فضائے آزادی میں پرواز کرے، مگر اسکی غلامانہ بصیرت نے اسے یہ تک غور نہ کرنے دیا کہ اس پرواز میں اس کے تمام پر اور دیگر اعضائے جسم اس کے ساتھ نہیں کہ منزل مقصود کو پہنچے اس کے ہر عضو کی پرواز مختلف سمت ہے جبکہ وہ آزادی کا صحیح نصب العین سمجھتا ہے۔ اسی سمت جانا۔ اسی رخ

... ان کے نزدیک صحیح آزادی ہے۔

کسی مملکت کے قیام کیلئے آبادی و معاشرہ میں تعامل و ہم کاری ضروری ہے اور یہ مملکت کے اہم ترین عناصر میں سے ہے۔ یہ عنصر اس قدر اہم ہے کہ اگر باقی تمام لوازمات مملکت موجود بھی ہوں اور افراد آبادی میں باہمی تعامل کا جذبہ نہ ہو تو مملکت کا قیام ناممکن ہے۔ دنیا میں ایسے ممالک موجود ہیں جہاں سب کچھ ہے لیکن ان کے باشندوں کا مطمح نظر ایک نہیں اس لئے متمدن بساط عالم میں ان کے لئے کوئی جگہ نہیں۔

عناصر تعامل خواہش تعامل و ہم کاری اشتراک کی کسی ایک جہت سے ہوتی ہے۔ شرط یہ ہے کہ اس میں ایسی زبردست قوت رابطہ ہو کہ وہ آبادی کے کل افراد کو تکثیر کے باوجود ایک مقصد اور ایک عمل پر جمع کر دے۔ افراد آبادی کے دل و دماغ پر اتنا غلبہ حاصل کرے کہ مفاد مملکت میں وہ سب متحد ہوں اور ہر فرد اس کی بقا اور آزادی پر خود کو قربان کرنے کیلئے تیار ہو جائے۔ اشتراک عمل کا اہم عنصر اشتراک نسل ہے۔ مثل مشہور ہے کہ خون کے جوش کے آگے کچھ نہیں رہتا جب خون ایک ہوگا تو اتحاد و اتفاق کا امکان قوی ہوگا۔ دوسرا عنصر جو انسانوں کو تعامل و ہم کاری میں مدد دیتا ہے زبان ہے۔ جو وحدت خیال کا ایک زبردست ذریعہ ہونے کی وجہ تعامل میں خاص حصہ لیتا ہے۔ تاریخ عالم پر نظر ڈالی جائے تو ایک تمدن کے ایک وسیع رقبہ میں پھیلنے میں کسی ایک عنصر نے بڑی مشکل اتنی مدد دی ہوگی جتنی زبان نے۔ اور اس کے زور سے بڑے بڑے ممالک کو سرنگوں ہونا پڑا۔ تیسرا عنصر جسکو خواہش تعامل و ہم کاری پیدا کرنے میں خاص اہمیت حاصل ہے، اشتراک وطنیت ہے۔ وطنیت وہ اہم جذبہ ہے جو انسان کو ہر قربانی پر آمادہ کر دیتا ہے۔ وطنیت ایک خاص جغرافی حالات اور حدود فاصل ہیں جو ایک زمین اور دوسری زمین میں فرق کرتے ہیں۔ چوتھا عنصر جسے مملکت کے قیام میں مدد و معاون سمجھا جاتا ہے۔ مذہب ہے جو اپنے اخلاقی اصول اور بود و ماند کے طریقوں کی وجہ ایک مخصوص تمدن پیدا کر دیتا ہے۔ مذہب تاریخ کے ایک دور میں مملکت کی بنیاد بن چکا ہے۔ مذہب کو مملکت کے استحکام کیلئے بہ نسبت ایشیا کے یورپ میں زیادہ استعمال کیا گیا اور اس کی خاطر خون کی ندیاں بہائی گئیں۔

فقدان عناصر تعامل کوئی ملک دنیا میں اتنا زرخیز اور آباد نہیں جتنا کہ ہندوستان ہے۔ لیکن یہاں کے باشندوں میں باہمی تعامل کی خواہش کے فقدان کے باعث یہ ملک دنیا کے خود دار اور متمدن ممالک میں سب کے پیچھے دکھائی دیتا ہے۔ ہندوستان میں عناصر ہم کاری میں سے ایک عنصر بھی نہیں۔ موجودہ ہندوستان انگریزوں کے مفتوحہ علاقہ کا نام ہے۔ انگریزوں نے جب برما فتح کیا تو ہندوستان میں شامل کر دیا۔ افغانستان پر حملہ کیا تو اس کو بھی اس سے ملحق کر دیا۔ جب یہ علاقے آزاد ہوئے تو ان کا تعلق ہندوستان سے نہ رہا۔ ہندوستان ایک براعظم ہے جسکو مشترکہ وطنیت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ہندوستان جغرافی لحاظ سے ایک نہیں۔ مختلف دریا اور پہاڑ اسکو مختلف خطوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ ہر خطہ کی آب و ہوا اور پیداوار میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پنجاب اور

دکن۔ گجرات اور بنگال۔ راجپوتانہ اور یوپی کے جغرافی حالات جدا جدا ہیں۔ کسی مشترکہ وطنیت کی بنیاد پر مملکت کا قیام نہیں ہوسکتا کہ باشندوں میں تعاون ہوسکے۔ ہندوستان میں ایک نسل آباد نہیں ہزاروں نسلیں ہیں کہ مملکت کی آبادی میں مل جلکر عمل کرنیکا جذبہ پیدا ہو۔ ہندوستان میں ہر دوسو میل پر زبان بدل جاتی ہے۔ اگر مملکت کی بنیاد لسانی ہوی۔ تو آندھرا مہاراشٹر کرناٹک۔ گجرات۔ بنگال۔ سینکڑوں قسم کی لسانی مملکتیں بن جائیں۔ اور نہ ہندوستان کا ایک مذہب ہے۔ یہاں مذاہب کی تعداد (۱۰۱) ہے۔ جن کا خدا۔ کتاب۔ قبلہ الگ ہے۔ ہر مذہب میں بنیادی فرق ہے اور مذہبی اصول کیوجہ معاشرت و تمدن میں بنیادی فرق ہے۔ ہندو کوئی مذہب اور قومیت نہیں۔ اس لفظ سے صرف عارضی فائدہ اٹھایا جارہا ہے۔ غیر ہندوستانیوں نے فرقہ دارانہ اختلاف کو بڑھانے کیلئے اس لفظ کا چرچا کیا حتیٰ کہ ریلوے اسٹیشنوں پر بھی ہندو مسلم پانی اور کھانے کا شاخسانہ نکالا۔ چالاک سیاسی لیڈروں نے اس جذبہ سے فائدہ حاصل کیا۔ اور اس لفظ انگریزوں اور مسلمانوں کے مقابل استعمال کیا۔ اگر آج انگریز ہندوستان چھوڑ دے۔ تو مذہبی افتراق کا وہی حال ہوگا جو مسلمانوں کی حکومت سے پیشتر تھا۔ لفظ ہندو بہ حیثیت کلّی پورے ہندوستان کے آباد انسانوں کیلئے استعمال کیا گیا تھا۔ یہ کوئی مذہبی قومیت نہیں گونڈ بھیل۔ لنگایت اسی قسم کی سینکڑوں مذہبی قومیں ہیں جو ایک دوسرے سے متنفر ہیں۔ ہر ایک اپنی حکومت قائم کرنا چاہتی ہے بھیل چار پائی پر اس لئے نہیں سوتا کہ حکمران ہوکر ہی سوئیگا لمباڑا آبادی میں اس لئے بود و باش اختیار نہیں کرتا کہ وہ حاکم نہیں۔ لنگایت شیو کا راج چاہتا ہے۔ وشنو چاری شیوا چاری کا مذہبی دشمن ہے۔

ہم آہنگی کا فقدان

جس ملک میں مختلف اقوام بستی ہیں۔ وہاں سماجی زندگی صرف تین صورتیں اختیار کرسکتی ہے (۱) اقلیت کو اکثریت کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دیا جائے جس کو (Extermintion) کی اصطلاح سے موسوم کیا جاتا ہے (۲) اکثریت اپنے اندر اقلیت کو جذب یا ضم کرے جکو (Amalgamation) کہا جاتا ہے (۳) تیسرے اقلیت و اکثریت کے مابین رواداری کی بنیاد پر توازن و ہم آہنگی پیدا کی جائے اس کو (Toleration) کہتے ہیں

اسمیں شک نہیں کہ متذکرہ بالا عناصر جو آبادی کی کثرت میں وحدت پیدا کرتے ہیں خواہش تعامل پیدا کرنے میں بڑی حد تک مدد ہوتے ہیں لیکن ایسے ممالک بھی موجود ہیں جو نسلی اور لسانی و مذہبی اختلاف کے باوجود اپنی مملکتوں کے قیام و استحکام میں ہم آہنگ نظر آتے ہیں مثلاً سوئزرلینڈ چیکوسلواکیہ۔ ولندستان وغیرہ۔ لیکن کیا وجہ ہے کہ ہندوستان کی آبادی میں ہم آہنگی نہیں؟ اگر ہندوستان کی آبادی کا گہری نظر سے نفسیاتی مطالعہ کیا جائے۔ تو معلوم ہوگا کہ یہاں مذہبیت غالب ہے۔ جماعتوں و اقوام کی بنیاد مذہب پر ہے، جو ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ دیگر ممالک میں مذہب کا جذبہ بڑی حد تک کم ہوتا گیا یا تو مذہب نے انفرادی حیثیت اختیار کرلی جسکا اجتماعی زندگی سے تعلق نہیں۔ یا مادیت نے مذہبیت ہی کو ختم کردیا۔ یا

تمام باشندگان ملک ایک مذہب ہیں۔ اس لئے وہاں توازن وہم آہنگی ممکن ہے۔ مگر ہندوستان میں جذبۂ مذہب شدید ہے ہندوستان کا ہر فرد جان دینا تو گوارہ کرتا ہے لیکن یہ پسند نہیں کرتا بلکہ مذہب کو چھوڑ دے۔ مذہبی عنصر کے غلبے نے یہاں ہم آہنگی کو باقی نہ رکھا۔ اگر ہندوستان کی سیاسی جماعتوں کا محاسبہ کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا۔ کہ ہر جماعت کی بنیاد جذبۂ مذہب ہے۔ ہندو مہاسبھا اچھوت۔ مسلم لیگ۔ سکھ۔ لنگایت یونین لیگ۔ یوروپین اور ہندوستانی عیسائی سب کی بنیاد مذہب ہی کانگریس جو غیر فرقہ وارانہ ادارہ ہونیکی دعویدار ہے اور خود کو انڈین نیشنل کانگریس کے نام سے موسوم کرتی ہے۔ در حقیقت ایک برہمن سرمایہ پرست جماعت کی نمائندہ ہے۔ مسٹر پٹابھائی رامیا جو کانگریس میں ایک اہم شخصیت ہیں اور ۱۹۳۹ء میں گاندھی جی نے انکو کانگریس کا صدر بنانے کی جان توڑ کوشش کی تھی۔ اور انکی ناکامی کو اپنی ناکامیابی بتایا تھا اپنی کتاب تاریخ کانگریس میں اسکا اظہار کرتے ہیں کہ :۔

"اب قوم کا فریضہ تھا کہ ایک جامع چیز پیدا کی جائے۔ یعنے ویدانتی تصوریت (   ) کا احیاء کر کے اور نکھار کر اسے عہد جدید کی قومیت سے مطابقت دیکر چلایا جاسکے۔ انڈین نیشنل کانگریس کے ذریعہ اس مشین کا پیدا ہونا مقدر تھا" صـ۲۲

بہ حیثیت قوم نہ اچھوت کانگریس کے ساتھ ہیں۔ اور نہ سکھ و مسلمان اور نہ لنگایت وتھامالی۔ چند افراد کانگریس کے لیڈر ہیں جنکو اپنی قوم کا اعتماد حاصل نہیں۔ اسمیں شک نہیں کہ لفظ ہندو سے کانگریس نے فائدہ اٹھایا۔ اور اپنے آپ کو ہندوستان کی نمائندہ جماعت ظاہر کرنے کی کوشش میں بڑی حد تک کامیابی حاصل کی۔ اور اکثریت کے گھمنڈ پر اقلیت کو قربان کرنے اور اپنے آپ میں ضم کرنیکی مساعی شروع کردی۔ جمہوریت کا اس نے اسلئے دم بھرا کہ اس سے وہ حکمراں ہوسکتی ہے۔ ہریجن تحریک اچھوتوں کی اصلاح کے نام سے اٹھائی گئی لیکن درحقیقت ان کے مذہب کی تبدیلی کا راز اس میں پوشیدہ تھا۔ "ہرا" کے ماننے والوں کو ہری کا پرستار بنانا تھا۔ بالفاظ دیگر شیو اکے بھگتوں کو وشنو مذہب کا بھگت بنانا تھا۔ جیسا کہ ہم ظاہر کرچکے ہیں کہ یہ لفظ ہندو انگریز کے مقابل یقیناً ایک محرک عمل چیز ہے لیکن جس دن انگریزی اقتدار کسی ہندوستانی جماعت کے ہاتھ منتقل ہوگا سارے ہندوستان میں بنیادی مذہبی اختلاف برپا ہوگا۔ ایک سو ایک ذات جو مستقل حیثیت رکھتی ہیں اور جن میں بنیادی اختلاف ہے ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار ہوں گی۔ اور ان میں کوئی سیاسی وحدت پیدا نہ ہوسکے گی۔

خلافت اور ہم آہنگی

ہندوستان جیسے مذہبی ملک کے افراد کو کسی مادی بنیاد پر ہم آہنگ نہیں کیا جاسکتا۔ یہاں کا اختلاف مذہبی ہے۔ اور مذہب ہی کے ذریعہ ہم آہنگی پیدا کی جاسکتی ہے۔ سیاسی نقطۂ نظر سے کئی دفعہ اتحاد ہوا۔ مگر دیرپا ثابت نہ ہوسکا۔ دھرم کے دلدادہ ادھرمی راج کے آگے سر تسلیم خم نہیں کرسکتے۔ دھرم راج ہی یہاں کے افتراق کو اتحاد سے بدل سکتا ہے۔ کون شیو کا ماننے والا ایسا ہے جو شیو راج نہیں چاہتا؟ اور کیا رام کے پرستار رام راج کے دلدادہ نہیں؟ کانگریس کے دھرتا کرتا گاندھی جی نے اعلان کیا تھا کہ

"سوراجیہ کے جاہے کتنے ہی معنے لوگوں کو بتاؤں پھر بھی میرے نزدیک سوراجیہ کے ایک ہی معنے ہیں۔ اور وہ "رام راجیہ" (پرتاب ۲ مارچ ۱۹۳۰ء صـ ۲)

پنڈت جواہرلال نہرو نے اپنی مشہور کتاب میری کہانی میں رام راجیہ کے جملہ کی یہ تشریح کی کہ چونکہ گاندھی جی مذہبی آدمی ہیں اور مذہبی دور حکومت کو بہتر مانتے ہیں اس لئے انہوں نے آزادی ہند کو رام راج سے تعبیر کیا کہ سب انسان بہتر زندگی گذار سکیں گے۔

ہر مسلمان خلافت کا دلدادہ ہے۔ وہ خود پر قوانین الٰہیہ کا نفاذ چاہتا ہے۔ مسلمانوں میں یہ زمانہ قیام خلافت کی بشارت کا ہے۔ اور ہندؤں کی مستند مذہبی کتب میں دہرم راج کا یہی زمانہ بتایا گیا ہے جس میں ہندوستان کی اکثر ذاتوں کے ایک ہونے کی بشارت ہے۔

"کلجگ کا زمانہ ختم ہو جائیگا۔ دہرم راج قائم ہوگا تمام ذاتیں ایک ذات ہو جائینگی۔" (صـ ۲ کیسری برصیا)

جمعیت خلافت جشرہ یا دہرم راج سبھا کا مقصد وحید یہ ہے کہ وہ اقوام ہند پر یہ واضح کرے کہ خلیفہ یا دہرم راجہ ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں جو دو مختلف زبانوں کے الفاظ ہیں۔ لیکن انکا مفہوم ایک ہی ہے۔ اور یہی وہ مذہبی مرکزیت ہے جس پر اقوام ہند متحد ہو سکتی ہیں اور انکا افتراق مٹ سکتا ہے ؎

تھیں میری اور رقیب کی راہیں جدا جدا
پر دونوں ایک ہی منزل جاناں پہ آ ملے

خلافت جشرہ ہندوستان کی فرقہ واریت کا واحد مذہبی علاج ہے۔ اقوام ہند اس پر غور کریں کہ مذہب کا ان پر بڑا احسان ہے کہ ایسے پریشانی کے زمانہ میں اس نے انہیں امن کا راستہ بتایا۔ اور اس پر آمادہ ہو جائیں کہ اس مذہبی حقیقت کو عام کردیں۔

قوانین الٰہیہ کی پابندی

آج ہر مسلمان مفکر بڑے غور و خوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ مسلمانوں کی پستی کی اصل وجہ عدم پابندی قوانین الٰہیہ ہے۔ وہ قوانین الٰہیہ کے پابند ہو کر ہی اپنی حقیقی عظمت حاصل کر سکتے ہیں۔ سالہا سال سے اسکی تلقین کی جارہی ہے کہ مسلمان اسلام کے صحیح معنوں میں پابند ہو جائیں۔ لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ تلقین کامیاب ہو سکی؟ اگر آج چوری باقی ہے۔ بے نمازی موجود ہیں۔ فسق و فجور کا دور دورہ ہے تو کیا اس کی حقیقی وجہ یہ نہیں کہ عدم پابندی پر سزا نہیں دیجاتی۔ اسی لئے شریعت بل منظور کرانے کی جان توڑ کوشش کیگئی۔ مگر یہ تحریک کامیاب نہ ہو سکی۔ کیا یہ تمنا خلافت کے ذریعہ پوری نہیں ہو سکتی؟ اور کیا ہماری مفلسی کا علاج زکوٰۃ کی قانونی وصولی سے نہیں ہو سکتا؟ اور کیا اس ذریعہ سے ہم بے نمازی کو نمازی نہیں بنا سکتے؟ اسلامی قوانین رائج کر کے ہم مسلمانوں سے فسق و فجور کو دور نہیں کر سکتے؟ غرض وہ کونسا مرض ہے جسکا علاج خلافت کے نسخہ میں نہیں؟ کیا یہ وہ اہم مسئلہ نہیں؟ جس پر ہم سب سے پہلے غور کریں۔

خلافت اور انسانیت

متذکرۂ بالا عناصر ہم کاری نسل۔ زبان۔ وطنیت جن پر قوموں اور مملکتوں کی تعمیر

کی کمی ہے یقیناً وہ قوت رابطہ ہیں کہ انہوں نے بڑی حد تک کثرت میں وحدت پیدا کی۔ اور انسانوں کے کثیر گروہ کو ایک کڑی میں منسلک کر دیا۔ اور خیر کر مفاد کے لئے ان میں تعاون پیدا کیا لیکن کیا انہوں نے نسل انسانی کو ٹکڑے ٹکڑے نہ کر دیا؟ کیا اسی قسم کے اتحاد نے اپنے اور غیر کے فرق کو پیدا نہ کر دیا؟ اور کیا عصبیت انکا جزو لاینفک نہیں کہ اپنے مفاد پر غیر کے فائدوں کو قربان کر دیں اور کیا یہ وہ سرچشمہ جنگ و فساد نہیں کہ جس نے انسانیت کے ایک حصہ کو دوسرے سے متصادم کر دیا۔ اور انہی کا نتیجہ ہے انسانیت خونریزی میں مبتلا ہو گئی اور انسان نوع انسانی کا شکاری ہو گیا۔ اور آج انسان انسان ہی کے خون سے ہولی کھیل رہا ہے۔ اور معصوم انسانیت اس عبرتناک حالت پر خون کے آنسو بہا رہی ہے۔ کیا ہر انسان کا فرض نہیں کہ وہ انسان کو انسانیت سے آگاہ کرے؟ خلافت جسکا مقصد وحید قوانین الٰہیہ کا نفاذ ہے، اس میں رنگ۔ نسل۔ زبان اور وطن کا امتیاز نہ ہوگا۔ اور وہ اخوت انسانی کی وہ زبردست لڑی ہوگی کہ اس سے منسلک ہونے کے بعد انسانیت کے ایک حصہ کی دوسرے سے علیحدگی قطعاً ناممکن ہوگی۔ بقول مولانا حالیؔ ؎

خلیفہ تھے امت کے ایسے نگہبان ہو گلے کا جیسے نگہبان چوپان

سمجھتے تھے ذمی و مسلم کو یکساں نہ تھا عبد و حر میں تفاوت نمایاں

کنیز اور بانو تھی آپس میں ایسی زمانے میں ماں جائی بہنیں ہوں جیسی

کا دور دورہ ہوگا۔

انسانیت کی مذہبی خدمت

جمعیت خلافت بشرہ یا ذہم راج سبھا ایک مذہبی تبلیغی ادارہ ہے جسکا مقصد وحید انسانیت کا احترام اور اس کی مذہبی خدمت ہے۔ وہ ہندوستان کو جسے دنیا جنت نشان کہتی ہے پر جو آج بیشمار انسانوں کیلئے دوزخ سے کم نہیں خدمت کرنا۔ اور اسے ایسا بنانا چاہتا ہے کہ ایسی بدکرداریاں اور پست حوصلگیاں نہ رہیں۔ امیر و غریب کا فرق نہ ہو کہ انسانوں کی اکثریت کو انسانیت کے شرف سے محروم کر دے۔ دولت کی شرافت کی جگہ تقوے کی شرافت کا قیام ہو۔ ہم رنگ و نسل کے تعصبات مٹ جائیں کہ جس سے افراد ملک کے پیٹ کی آگ ہی نہیں بجھیگی بلکہ دل و روح کی کلی بھی کھلیگی۔ وہ اپنے ایمان کے تخم کی اعمال صالحہ سے آبیاری کریں گے کہ وہ ایک تناور و مثمر درخت ہو جائے جس کے سایہ میں آرام و چین کی زندگی گذاریں۔ اور اس کے پھل انکی روحانی بھوک کو دور کریں۔

اور صرف یہ ہی نہیں بلکہ یہ جمعیت اپنی اس بے غرض خدمت سے خود ہندوستان کو تنگ نظر وطنیت کے عذاب سے بچائے گی اور اس کو دنیا اور انسانیت کا حقیقی معنوں میں خادم بنائے گی اور ہندوستان اپنی ترقی کے لئے دوسروں کا تنزل۔ اپنی آزادی کے لئے دوسروں کی غلامی۔ اپنی آبادی کے لئے دوسروں کی بربادی۔ اور اپنی قوت کیلئے دوسروں کی کمزوری کے سامان کبھی نہ کریگا۔ بلکہ ہمارا ہر فرد اس نئے نظام کی مدد سے اپنی تمام

صلاحیتوں کو نشو و نما دے کر اپنی تربیت یافتہ شخصیت سے دنیا اور انسانیت کی مذہبی خدمت گذاری کا شرف حاصل کریگا اس پریشان حالی کے زمانہ میں جب کہ زمین انسانی خون سے لالہ زار بن رہی ہے۔ آؤ ہم ایک بار رحمن و کریم اللہ تعالی کی بارگاہ میں سجدۂ عاجزی کریں۔ گریہ و زاری کریں کہ نسل انسانی کے ہر فرد میں یہ جذبۂ خدمت گذاری پیدا ہو۔ اور اس کے دل میں انسانیت کی خدمت کی لگن ہو۔ کہ جب تک شرف انسانیت قائم نہ ہو جائے۔ وہ چین کی نیند نہ سوئے گا۔ اور اپنا تن من دھن اس سیدھی راہ میں کھپائیگا۔ اللہ کی رحمتوں سے نا امید نہ ہو جاؤ۔ کہ کیا وہ جو ان کو بھی رزق دیتا ہے۔ جو اس کی مرضی کے خلاف زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور اس کے قوانین کو توڑتے ہیں۔ ہم پر رحم و کرم نہ کریگا؟ اسی سے امید رکھو جو بے مانگے دینے والا اور ساری کائنات کو ایک ہی نظام کے تحت چلانیوالا ہے کہ وہ اس نیک اور بابرکت مقصد میں ساری نسل انسانی کو متحد کریگا۔

قرارداد قصبۂ بیملی ضلع عثمان آباد

بروز شنبہ ۱۲ رمضان المبارک ۱۳۶۱ھ قصبۂ بیملی کی رعایا نے ایک جلسۂ عام میں جس میں ہندو، مسلمان۔ اچھوت اور مقامی عہدہ دار و ساہوکار اور معززین قصبہ شریک تھے یہ قرارداد پاس کی کہ

> "ہم جمیع رعایا قصبۂ بیملی یہ اقرار کرتے ہیں کہ اعلحضرت میر عثمان علی خان بہادر آصف جاہ سابع بشرہ خلیفہ و دہرم راجہ ہیں۔ اور اقرار کرتے ہیں کہ ان کے ہر حکم کی جان و مال سے اطاعت کریں گے اور مولوی سید رسول صاحب مبلغ و رکن خلافت بشرہ یا دہرم راج سبھا کو یہ اختیار دیتے ہیں کہ وہ یہ قرارداد صدر جمعیت خلافت بشرہ کے پاس روانہ کردیں"

اگر اسی طرح ہر مقام پر جلسۂ عام میں قرارداد پاس کی جائے تو احسن ہوگا۔ بعض اور مقامات سے بھی اس قسم کی اطلاعات وصول ہوئی ہیں جنکو ادارہ آئندہ اشاعت میں پیش کریگا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

حیدرآباد کا معاہداتی موقف

از مولوی محمد عبدالقادر صاحب مبلغ اسلام

ناظرین کرام! یاد ہوگا کہ سابقہ پرچہ میں مضمون حیدرآباد کا معاہداتی موقف کی اشاعت کا اعلان کیا گیا تھا۔ اشاعت ہذا اس سے مزین ہے۔ چند کہنے والوں نے ہم سے کہا کہ ایسے سیاسی مضمون کی اشاعت آواز کے مقاصد کے منافی ہے لیکن انہوں نے یہ نہیں سمجھا کہ یہ ایک تاریخی مضمون ہے۔ موجودہ حالات کے تحت ہمارا ملک حیدرآباد آگے چلکر بننے والی تاریخ کا ایک روشن باب ہوگا۔ (مدیر)

خلافت کا ایک معیار آزادی و خود مختاری ہے۔ ہر حیدرآبادی بخوبی واقف ہے کہ حیدرآباد کا آئینی و معاہداتی موقف یک آزاد اور خود مختار مملکت ہے جو باہمی معاہدات کے ذریعہ برطانوی حکومت کی حلیف ہے۔ لیکن بیرونی غلط پروپگنڈے نے بعضوں کو اس فتنہ میں مبتلا کر دیا ہے کہ حیدرآباد آزاد مملکت نہیں اور اس بکری والے کی طرح دھوکہ میں ہیں۔ جسے یقین دلایا جا رہا کہ وہ بکریاں نہیں بلکہ کتے لیجا رہا ہے۔ اس پروپگنڈے نے وہ فضا پیدا کر دی ہے کہ بعض ذمہ دار لیڈر بھی غیر شعوری طور پر مفتون نظر آرہے ہیں اس لئے ضروری ہوا کہ یہ ظاہر کر دیا جائے کہ غلط پروپگنڈہ کی ظلمت سے ہٹ کر حیدرآباد کی سیاسی حیثیت کی روشنی میں کیا ہے؟ یہ کوئی نیا مضمون نہیں بلکہ بارہا مفکرین ملک نے اسپر روشنی ڈالی ہے جن میں بعض بین الاقوامی قانون کے ماہر بھی ہیں۔

مفہوم آزادی

وہی ملک آزاد تصور کیا جائیگا جو کسی دوسرے ملک کے زیر اقتدار نہ ہو۔ اپنے اندرونی معاملات میں آزاد ہو۔ اور بیرونی معاملات میں کلیتہً کسی دوسرے کا محکوم نہ ہو۔ مشہور عالم [illegible] آزادی کے لئے حسب ذیل لوازم شمار کرتا ہے " (۱) ملک میں کسی دوسرے کا غلبہ نہ ہو۔ (۲) اپنی حفاظت خود کرنیکا اختیار (۳) اپنی حکومت کے تعین کا کلیتہً اختیار۔ (۴) قومی وسائل کو کام میں لانیکا اختیار۔ (۵) بیرون ملک کے مقبوضات و حقوق حاصل کرنیکا اختیار۔ (۶) ملک کے جملہ افراد و اشیا پر قدرت" (ماخوذ از مبادی سیاسیات)

اقتدار اعلیٰ

اس زمانہ میں مختلف ممالک ایک دوسرے سے متعدد وابستہ ہیں کہ نام نہاد آزاد ملک بھی مکمل طور پر آزاد نہیں کہے جاسکتے۔ قانون بین الممالک کی پابندی ہر مہذب و متمدن ملک پر لازمی ہوتی ہے۔ دوسرونکے حقوق کا احترام۔ خاص طور پر معاہداتی اقرارات خود مختار اور طاقت ور سے طاقت ور ملک پر بھی پابندیاں اور تحدیدات عاید کرتے ہیں۔ اور کوئی ملک محض من مانی حکمت عملی پر کاربند نہیں ہوسکتا۔ کسی ملک کی آزادی عمل پر سخت ترین بندشیں قائم کرنے کے باوجود متعلقہ ممالک کی آزادی غیر متاثر ہی رہتی ہے۔ کسی خود مختار ملک کے لئے قانون بین الممالک کی غرض سے

مقتدر اعلیٰ ہونا کافی ہے۔ اگر وہ مکمل خود مختار ہونے کے بجائے بہت سی باتوں میں کسی کا دست نگر ہو جائے تو بھی کوئی حرج نہیں چنانچہ لارڈ فنڈلا مور جج عدالت بین الممالک ہیگ اپنے ایک فیصلہ میں لکھتا ہے کہ

"یہ ظاہر ہے کہ اقتدار اعلیٰ کے لئے کچھ نہ کچھ خود مختاری کا ہونا ضروری ہے لیکن اقتدار اعلیٰ کیلئے یہ ضروری نہیں کہ مکمل خود مختار بھی ہو"

اقتدار اعلیٰ کی قانون بین الاقوام کی مستند کتابوں میں یہ تعریف کیجاتی ہے۔ کہ کسی مملکت کو اپنے داخلی وخارجی معاملات میں دوسری سلطنت کی منظوری یا رضامندی کی ضرورت نہ ہو۔ خارجہ تعلقات کے غیر محدود اختیارات حاصل ہوں۔ اور ان امور میں کوئی دوسری مملکت دخل ہی نہ کر سکے۔ لیکن غیر محدود اختیارات کے یہ معنے نہیں ہو سکتے کہ کوئی ملک من مانی کارروائی کرے۔ آزاد ملک پر پابندی ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کی ساری خود مختاری کا احترام کرے۔ اور اس کے معاملات میں دخل ہی نہ کرے۔ اور باہمی معاہدات کے تحت بھی پابندی قبول کیجاتی ہے اس لئے غیر محدود اختیارات کے معنے یہ نہیں کہ دوسروں کی آزادی و معاہدات کا احترام کئے بغیر جو چاہے کرے۔ یہ انسانیت نہیں۔ درندگی ہے۔ اقتدار اعلیٰ کی تعریف کے تعین میں مقدمہ میگل بنام سلطان جوہور ۱۸۹۴ء قابل ذکر ہے۔ جو اخبار رہبر دکن مورخہ ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۵۰ھ میں ایک مضمون نگار نے معاہدات کے سلسلے میں مفصل شائع کیا ہے۔ اارڈسمبر ۱۸۸۵ء میں ایک معاہدے کے ذریعہ ملکۂ معظمہ و سلطان کے باہمی تعلقات حلیفی قائم ہوئے تھے معاہدے میں یہ طے ہوا تھا۔ کہ اسٹریٹس سٹلمنٹ کا گورنر سلطان کے علاقہ کی بیرونی مخاصمانہ حملوں کی صورت میں حفاظت کریگا اور معاہدے کی دفعہ (۶) میں سلطان نے اقرار کیا تھا۔ کہ وہ کسی بھی اجنبی سلطنت سے نہ تو معاہدات کی گفت و شنید کریگا۔ نہ اس کے ساتھ کوئی ذمہ داریاں قبول کریگا۔ عدالت نے وزیر نوآبادیات سے مدعی علیہ سلطان جوہور کی صحیح حیثیت دریافت کی۔ کیونکہ مدعی علیہ کو یہ اعتراض تھا کہ عدالت کو اقتدار سماعت حاصل نہیں۔ کیونکہ وہ جوہور کی سلطنت اور اپنے علاقہ کا سلطان ہے۔ وزارت نوآبادیات کے ایک افسر نے وزیر نوآبادیات کی ہدایت سے عدالت کو اطلاع دی کہ

"جوہور جزیرہ نمائے ملایا میں ایک خود مختار مملکت اور علاقہ ہے۔ اور یہ کہ مدعی علیہ وہاں کا موجودہ مقتدر اعلیٰ حکمران ہے۔ یہ کہ سلطان اور ملکہ معظمہ کے تعلقات باہمی حلیفی کے ہیں۔ برتری۔ ماتحتی کے نہیں"

عذرداری میں یہ بتایا گیا تھا کہ سلطان نے معاہدہ میں یہ اقرار کیا تھا کہ وہ کسی بھی اجنبی سلطنت سے کوئی معاہدات نہیں کریگا۔ اس طرح کے اقرار سے اقتدارات اعلیٰ کی تردید ہو جاتی ہے۔ اور ایسا شخص مقتدر اعلیٰ حکمران نہیں رہتا لیکن لارڈ جیمس کے نے۔ نے لکھا کہ

"میری رائے میں سلطان نے ممالک غیر سے معاہدہ نہ کرنیکا جو عہد کیا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس سلطنت نے معاہدہ کرنیکا حق ہی زائل کرلیا ہے بلکہ وہ صرف اس بات کی شرط ہے کہ برطانیہ انکی حفاظت کرے۔ اگر سلطان اپنے عہد کو نظر انداز کرنا چاہیں۔ تو برطانوی حفاظت کو ہاتھ سے کھو دینگے یا ممکن ہے کہ برطانیہ کے ساتھ دیگر مشکلیں پیدا ہوں لیکن میری رائے میں سلطان کے معاہدے میں ہرگز کوئی ایسی بات نہیں جس سے سلطان جوہور کے مقتدر اعلیٰ خود مختار حکمراں ہونے پر کوئی قید عاید ہو۔ یا وہ خود مختار تسلیم نہ کئے جائیں"

واتل اپنی کتاب قانون بین الممالک (شائع کردہ پراڈشے فودے رے بزبان فرانسیسی ۱۸۶۳ء) جلد اول۔ باب اول فقرہ ۴ میں مقتدر مملکت کی یہ تعریف کرتا ہے کہ

"وہ ایک قوم ہے۔ جو اپنے آپ پر اپنے ہی اقتدار اور اپنے ہی قوانین کے ذریعہ حکومت کرتی ہے اور کسی اجنبی سلطنت کے ماتحت نہیں ہوتی"

لیکن اسی نے فقرہ (۵) میں یہ بھی قاعدہ مقرر کیا کہ

"کوئی مملکت مقتدر مملکت کی حیثیت سے نکلے بغیر ایک غیر مساوی حلیفی کے ذریعہ کسی قوی مملکت کے ساتھ مربوط ہوسکتی ہے"

اور آخر میں لکھتا ہے کہ

"غیر مساوی حلیفوں کے شرائط میں باہم غیر محدود اختلافات ہوسکتے ہیں۔ چاہے یہ شرائط کچھ ہی کیوں نہوں۔ اگر حلیف فروتر اپنے لئے اپنا اقتدار اعلیٰ یعنی اپنے اوپر خود ہی حکومت کرنیکا حق محفوظ رکھتا ہے۔ تو اسکو ایک ایسی خود مختار مملکت تصور کرنا چاہئے۔ جو دیگر ممالک سے قانون بین الممالک کے احکام کے مطابق کاروبار کرتی ہے۔ اسی بناء پر اگر کوئی کمزور مملکت اپنی حفاظت کے لئے خود کو کسی قوی تر مملکت کی حمایت میں دیدے اور شکر گذاری میں یہ اقرار کرلے کہ وہ متعدد ایسے فرائض انجام دے گی جو اس حمایت کے مطابق ہوں۔ لیکن بہرحال خود کو اپنی حکومت اور اقتدار اعلیٰ سے محروم نہ کرلے تو میں کہتا ہوں۔ کہ ایسی مملکت مطلق اس بات سے دست بردار نہیں ہوتی کہ اس کو ان مقتدران اعلیٰ میں شمار کیا جائے۔ جو قانون بین الممالک کے سوا کسی اور قانون کو تسلیم نہیں کرتے"

مملکت حیدرآباد اور اقتدار اعلیٰ

مذکورۂ بالا تصریحات کی روشنی میں غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ حیدرآباد نہ صرف بالاستحقاق بلکہ فی الواقعہ بھی ایک آزاد اور خود مختار مملکت ہے اور اسپر قانون بین الممالک کا ایسا ہی اطلاق ہوتا ہے جیسے دیگر آزاد ممالک پر۔ تاجداران حیدرآباد نے اپنے

اختیارات شاہی یا اقتدار اعلیٰ کو خواہ اندرونی معاملات کے متعلق ہوں یا بیرونی معاملات کے متعلق کسی دوسری سلطنت کے سپرد نہیں کیا۔ مملکت حیدرآباد کا اقتدار اعلیٰ ان تمام خصوصیات و لوازمات کا ہمیشہ حامل رہا ہے جو دستوری و آئینی مفہوم میں اقتدار اعلیٰ کے لئے ضروری ہوں۔ حکومت برطانیہ سے اس کے تعلقات مساویانہ حلیف کے ہیں۔ اور معاہدات و تعلقات باہمی میں بارہا اس حقیقت کا اظہار ہو چکا ہے۔ پریوی کونسل نے متعدد فیصلوں خاصکر یوسف الدین (عہدہ دار حیدرآباد) بنام قیصر ہند میں صاف فیصلہ کیا ہے کہ حیدرآباد کو قانونی اقتدار اعلیٰ حاصل ہے۔ اس حد تک حیدرآباد کسی بیرونی قوت کا ماتحت نہیں۔ معاہدۂ مورخہ ۲۴ر اکتوبر سنہ ۱۹۳۶ء میں برطانوی حکومت نے حیدرآباد کو اقتدار اعلیٰ کا حامل تسلیم کیا ہے۔

"ہرگاہ ان ممالک محروسہ میں جو ہز اگزالٹیڈ ہائینس نظام حیدرآباد کے اقتدارات اعلیٰ کے تحت میں چند علاقہ جات موسوم برار شامل ہیں: اور ہرگاہ بذریعہ معاہدہ ۵ر نومبر سنہ ۱۸۰۰ء یہ قرار پایا تھا کہ ہز اگزالٹیڈ ہائینس کے علاقہ جات موسوم بنام برار بھی ہیں پر ہز اگزالٹیڈ ہائینس کے اقتدار کے متعلق اس معاہدے میں مکرر اقرار کیا گیا تھا۔"

داخلی آزادی

حیدرآباد نے کسی ایسے معاہدے کے تحت کوئی ایسی شرط قبول نہیں کی۔ جو اس کے اقتدار اعلیٰ کے منافی ہو۔ معاہدات کے سلسلے میں سنہ ۱۸۰۰ء کا معاہدہ قابل ذکر ہے جو اب تک برقرار ہے۔ جسمیں کسی معاہدے کے ذریعہ کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ اس کی دفعہ ۱۵ یہ ہے کہ

"معززہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت بذریعہ ہذا اعلان کرتی ہے۔ کہ ہز ہائینس کی اولاد۔ اقربا و رعایا اور ملازموں سے اسے کسی قسم کا بھی تعلق نہیں ہے۔ ان کے متعلق اعلیٰحضرت کو اختیار مطلق حاصل ہے۔"

(مجموعہ معاہدات ایچی سن صفحہ ۵ طبع اول)

قانون سازی اندرونی اقتدار اعلیٰ کا سب سے بڑا امر ہے۔ جیسا کہ ذکر کیا گیا ہر حیدرآباد کا قانونی اقتدار اعلیٰ پریوی کونسل کو مسلم ہے۔ حیدرآباد میں دیوانی قوانین ترقی یافتہ اور عصری ہیں۔ طریقہ مراعات خصوصی متامن یوروپیوں کو جو ملازم و ماتحت حیدرآباد نہ ہوں تنازعات میں جن میں فریق ثانی دیسی باشندہ ہو۔ مقدمہ کی سماعت کا مجاز رزیڈنٹ کو یا جسے وہ اختیار عطا کرے قرار دیا گیا۔ یہ ان مراعات خصوصی میں شامل ہیں۔ جن کی نظیریں ترکی۔ جاپان۔ ایران وغیرہ مسلمہ خودمختار سلطنتوں میں خاص ممالک کے باشندوں کو حاصل رہے ہیں لیکن ان سے اقتدار اعلیٰ کبھی متاثر نہیں سمجھا گیا۔ یوں بھی ان مراعات میں ضابطہ فوجداری سرکار عالی کے نفاذ سے اس میں ترمیم کی گئی ہے اور ایسے مقدمات میں کوئی اور ملازم سرکار عالی جو عموماً انگریز ہوتا ہے سماعت کا مجاز قرار پایا ہے۔ سزا دہی کے لئے حیدرآباد ہی کا قانون برتا جاتا ہے۔

لارڈ ریڈنگ نے اپنے مشہور خط اور شلر کمیٹی نے (جسکو لارڈ برکنہیڈ نے دیسی ریاستوں اور انگریزوں کے تعلقات پر

تحقیقات کرنے کے لئے مامور کیا تھا) مملکت حیدرآباد کے داخلی معاملات میں برطانوی حکومت کی مداخلت ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی تھی ۔ جو اس کے خود مختاری کے منافی ہے ۔ اگرچہ کہ اب محض دخل دہی سے کسی کی خودمختاری متاثر بھی نہیں جاتی ۔ نو ۔ دس سال پیشتر جرمنی و اسٹریلیا میں باہمی چنگی کی برخواستگی کا معاہدہ ہوا تھا ۔ جو فرانس کے مداخلت سے منسوخ ہو گیا ۔ اور یہ مداخلت قانون بین الممالک کی رو سے جرمنی و آسٹریلیا کی آزادی کے منافی نہ سمجھی گئی ۔ انگلستان نے مسٹر ایڈن کو وزارت خارجہ سے اٹلی کی مداخلت کی وجہ خارج کیا تھا ۔ مقدمہ سلطان کیلانٹن ۱۹۲۴ء اس معاملہ میں اہم ہے ۔ حالانکہ سلطان کیلانٹن ازروئے معاہدہ اکتوبر ۱۹۱۰ء پابند تھے کہ

"مذہب اسلام اور رعایا کی رواجات کو چھوڑ کر جملہ انتظامی معاملات میں ان مشیروں کے مشورے پر عمل کریں گے جنکا ہز مجسٹی تقرر کریں ۔"

مگر مسٹر چرچل کی رائے میں (جو اسوقت وزیر نو آبادیات تھے) پوری طرح خودمختار تھے ۔ اور عدالت م و زا ف لارڈز کی رائے میں اس طرح کے معاہدات سے کوئی مملکت قانون بین الممالک کے موضوع سے خارج نہیں ہو جاتی اور اقتدار اعلیٰ زائل نہیں ہو سکتا ۔

حیدرآباد کی حیثیت کیلانٹن سے بہتر ہے ۔ حیدرآباد کے داخلی معاملات میں کبھی مداخلت نہیں کی گئی ۔ حقیقت یہ ہے کہ جب انگریزوں کی دوستی زیادہ استوار اور ان کے دولت آصفیہ سے حلیفانہ تعلقات بڑھتے گئے ۔ تو اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ اسکا ایک نمائندہ حیدرآباد میں رہے ۔ جو حلیف کے خیالات سے آگاہ کرتا رہے ۔ اور مملکت حیدرآباد کا ایک نمائندہ انگریزوں کے دارالسلطنت کلکتہ میں رہے جو دولت آصفیہ کے خیالات سے حلیف کو آگاہ کرے ۔ غفران مآب کے عہد تک دونوں سلطنتوں میں برابر کے سفارتی تعلقات تھے ۔ حیدرآباد میں رزیڈنٹ کلکتہ میں ایلچی رہتا تھا ۔ ۱۸۰۰ء میں موزوں افراد نہ ملنے سے حیدرآباد کے رزیڈنٹ کے اندر دونوں عہدے جمع ہو گئے ۔ اور برطانوی سفیر کی دہری حیثیت ہو گئی ۔ اور بہ حیثیت حلیف باہمی مشاورت کا سلسلہ جاری رہا ۔ رزیڈنسی نے کبھی "دخل دہی" کے نام سے کام نہیں کیا ۔ بلکہ حلیف کی حیثیت سے حلیف سلطنت کی بہبودی کے لئے رزیڈنسی نے مشورہ دیا ۔ اس قسم کے مشورے دوستی و بہی خواہی کی علامت ہیں ۔ اسی طرح حیدرآباد بھی برطانیہ کو بطور خود مشورے دیتا رہا ہے ۔ اڑیسہ کے قحط کے زمانہ میں برطانوی ہند کے حکام کی بدانتظامی پر سر سالار جنگ مرحوم نے پر زور مشورے پیش کئے تھے اور حیدرآباد کو اڑیسہ کے حسن نگرانی کا ذمہ دار بتایا تھا ۔

"حکومت حیدرآباد کو یہ لکھتے ہوئے افسوس ہوتا ہے کہ حکومت برطانوی ہند اپنی رعایا کے فلاح کے بارے میں کافی مشغول نہیں ہے ۔ اڑیسہ کی حالیہ طغیانیوں کے دوران میں سنگدل حکام کی لاپروائی سے لکھو کھا مخلوق خدا کی جانیں تلف ہو گئیں ۔ اس کو یاد رکھنا چاہئے کہ حکومت حیدرآباد ہندوستان میں برطانوی حکومت کے قیام اور بقا کی بڑی حد تک ذمہ دار ہے ۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ برطانوی ہند کے لوگوں کی

فلاح و بہبود کی ذمہ دار ہے۔ اگر حکام اڑیسہ صورت حال کا مقابلہ کرنے سے قاصر ہیں تو برطانوی حکومت کو بہتر مشورہ یہ دیا جائیگا کہ صوبۂ اڑیسہ کو حکومت حیدر آباد کے سپرد کر دیا جائے۔ جو رعایا کے مفادات کے تحت نظم و نسق کریگی۔ اور برطانوی وزیر مالیہ کے محصل مالگذاری کی بچت بچوادیگی۔ بہرحال حیدر آباد خاموش نہیں رہ سکتا جبکہ لاکھوں مخلوق خدا صوبۂ اڑیسہ میں جانیں دے رہی ہیں۔ اس امر واقعہ کے باوجود کہ متذکرہ صوبہ کا خزانہ رقم سے معمور ہے"

لارڈ ریڈنگ کا ۱۹۲۶ء کی نام نہاد خط سے اندرونی معاملات میں حق مداخلت اور برطانوی تاج کی برتری کا استدلال کرلینا صحیح ہے۔ اول تو سند یکطرفہ ہے معاہدہ نہیں۔ جو فریقین کی رضامندی سے نافذ کیا جاتا۔ اور دوسرے فریق کے لئے قابل قبول ہوتا۔ یہ ایک مغالطہ ہے اس میں سند کا لفظ تک برتا نہیں گیا۔ اور نہ سند کے طور پر اسے پہنچایا گیا۔ چونکہ خطوط سے مرسل الیہ پر پابندی عائد نہیں ہوتی۔ اس لئے "تاج سے وفاداری" کا جملہ لکھ دینے سے حیدر آباد تاج برطانیہ کا ماتحت نہیں ہوجاتا وہ ایک اطمینان دہانی ہے کہ لارڈ ڈلہوزی کی بدنام الحاقی پالیسی کو ترک کیا جاتا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو اس میں اگر ایک طرف سلطنت حیدر آباد کے اقتدار اعلیٰ کی برقراری کا اقرار اور حکمراں خاندان کی قدرتی جانشینی کی تسلیم ہے تو دوسری طرف معاہدۂ حلیفی کا استحکام بھی ہے۔

"یقین فرمائیے کہ آپ سے کئے ہوئے اس عہد کو کوئی چیز توڑ نہ سکیگی جب تک کہ آپکا گھرانا تاج کا وفادار اور معاہدوں عہدیوں اور عہدوں کا جن سے برطانوی حکومت پر ذمہ داری ہوتی ہے پابند ہے۔ کیننگ ۱۱ مارچ ۱۸۶۲ء" (ایچی سن جلد ۵ طبع اول)

وفاداری کے لفظ کے ساتھ "معاہدوں کی پابندی" کے الفاظ وفاداری کا بجز اس کے کچھ اور مفہوم کی صراحت نہیں کرتے کہ حلیفی کے معاہدے پر حیدر آباد مستحکم رہے جس کی پابندی کی ذمہ داری برطانوی حکومت پر بھی لازمی ہے۔ تاج برطانیہ سے کئے ہوئے معاہدات کی وفادارانہ تعمیل پر حیدر آباد کو فخر ہے جب ہی تو برطانوی حکومت حیدر آباد کے مقتدر اعلیٰ خسروئے دکن آصف جاہ سابع خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ کو "یار وفادار" کے لقب سے یاد کرتی ہے۔

لارڈ ریڈنگ کا استدلال جانشینی غلط ہے۔ تخت نشینی کے لئے حیدر آباد نے کبھی برطانیہ سے منظوری نہیں لی۔ ہمیشہ امرائے ملک نے ولیعہد کی بیعت کرکے اس کی شاہی کا اعلان کیا۔

اس میں شک نہیں کہ ہندوستان کی اکثر دیسی ریاستوں سے انگریزوں کے جو معاہدات ہیں ان میں ماتحتانہ اتحاد عمل کے الفاظ برتے گئے ہیں۔ ایک انگریز کرنیز نے کہا کہ

"حضور نظام کے ساتھ ہماری مفاہمت ایسی نہیں ہے کہ میسور یا دیگر ریاستوں کی طرح ہم کسی خاص موقع پر حیدر آباد کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرسکیں۔ حضور نظام کی مملکت ہمیشہ خودمختار اور با اقتدار

رہا ہے ہم اسکی خودمختاری سے تعرض نہیں کرسکتے "۔

ہندوستان کی اکثر ریاستیں انگریزوں کا عطیہ یا باہمی معاہدین کی بناء پر وجود میں آئی ہیں۔ ان کے استحکام و بقا کا انحصار انگریزوں پر ہے حیدرآباد کی تاریخ اور روایات نے بطور خاص اپنے اقتدار اعلیٰ کی حیثیت کو دیگر ریاستوں کے فرمانرواؤں کی حیثیتوں سے ممتاز رکھا ہے۔ حضرت آصف جاہ اول نے کسی کی مدد کے بغیر بفضل ایزدی یہاں کا تخت و تاج حاصل کیا۔ اور اب تک اس کے قیام و بقا میں کسی غیر کی اعانت کا دخل نہیں۔ یہاں کا اقتدار اعلیٰ اب بھی ذات شاہانہ میں مرکوز ہے جو قائم بالذات کامل، غیر محدود، ہمہ گیر، ناقابل تقسیم اور ناقابل انتقال ہے۔ اور ہمیشہ رہیگا۔ حیدرآباد کے لئے باعث فخر ہے کہ وہ ہمیشہ غلام ہندوستان میں آزاد مملکت رہا۔

مکتوب شاہانہ بنام لارڈ ریڈنگ

مملکت حیدرآباد کے حقیقی پوزیشن کی صراحت مقتدر اعلیٰ خسرو دکن آصفجاہ سابع خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ کے مکتوب شاہانہ سے ہوتی ہے جو حضور نے نمائندہ تاج برطانیہ لارڈ ریڈنگ کے نام ۲۰ ستمبر ۱۹۲۵ء کو لکھا۔

"حکومت برطانیہ کے ساتھ میرے تعلقات' نظام اور اپنی مملکت کا فرمانروا ہونے کی حیثیت سے اس باہمی اور دفاعی اتحاد کے تابع ہیں۔ جو میرے اسلاف اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے درمیان باہمی احترام' دوستی اور اشتراک مصالح کی بناء پر ہوا تھا۔ . . . باستثناء ان مسائل کے جو خارجی طاقتوں اور خارجی سیاست سے تعلق رکھتے ہیں حیدرآباد کے نظام اپنی ریاست کے داخلی امور میں ویسے ہی خودمختار رہے ہیں۔ جیسی برٹش گورنمنٹ برٹش انڈیا میں ہے۔ اس استثناء کے ساتھ جس کا ذکر میں نے کیا ہے فریقین نے ہمیشہ بین الحکومتی مسائل میں جو قدرتی طور پر وقتاً فوقتاً ہمسایوں کے درمیان اٹھ کھڑے ہوا کرتے ہیں۔ کامل آزادی اور کامل خودمختاری کے ساتھ عمل کیا ہے۔ اب مسئلہ برار اس استثناء میں نہیں آتا۔ اور نہیں آسکتا۔ کوئی خارجی طاقت یا پالیسی اس تفحص میں متعلق یا مخل نہیں ہے۔ پس یہ قضیہ دو ایسی حکومتوں کے درمیان متنازعہ فیہ رہ جاتا ہے۔ جو ایک ہی درجہ کی ہیں۔ اور جن میں سے کوئی کسی کی تابع نہیں ہے۔ میں اس سے انکار نہیں کرتا کہ اس درجے کے دو فریق ایک دوسرے کے دعاوی اور تجاویز کو رد کردینے کی آزادی ضرور رکھتے ہیں۔ مگر برٹش گورنمنٹ کا پورا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے یہ پوچھنے سے احتراز نہیں کرسکتا کہ مسئلہ برار میں لفظ "فیصلہ" کا استعمال کہاں تک صحیح ہے۔ خارجی امور کو الگ کرکے میں برٹش گورنمنٹ کے ایک حلیف کی حیثیت سے اپنے لئے یہ حق ملحوظ رکھنے میں حق بجانب ہوں کہ ہز میجسٹی کی حکومت کے اس انکار کو محض ایک انکار سمجھوں نہ کہ فیصلہ . . . . . . میرے مطالبہ استرداد برار کے جواب میں ہز میجسٹی کی گورنمنٹ کا انکار محض اس کی رائے کا اظہار ہو تو سکتا ہے۔ مگر وہ مجھ پر اور

میں ... خاندان پر کوئی ایسی پابندی عائد نہیں کر سکتا کہ اب اس قضیہ کو ختم شدہ اور اپنے دعوے کو ہمیشہ کیلئے خارج شدہ سمجھ لیا جائے۔ اس قسم کی پابندیاں ایسے فقار پر کبھی حاوی نہیں ہو سکتیں جو اپنے عہد ناموں کی شرائط کے ماتحت اس کی پوری آزادی رکھتے ہیں۔ کہ ایک دوسرے کی تجاویز سے اتفاق کریں یا نہ کریں۔"

تعلقات خارجہ

سلطان جمہور حکومت برطانیہ سے یہ معاہدہ کرنے کے باوجود کہ "وہ ممالک غیر سے معاہدہ نہ کریں گے" لارڈ جسٹس کے ... نے۔ کی رائے میں "دیگر ممالک سے معاہدہ کرنے کے حق کو زائل نہیں کر لیتے"۔ ریاست کشمیر جو بیع دین کی بناء پر وجود میں آئی اور ہر سال خراج کے نام سے بعض قیمتی چیزیں حکومت انگریزی کو دیتی ہے لیکن اس کے خارجہ تعلقات پر کوئی تحدید نہیں۔ مملکت حیدرآباد کے تعلقات حکومت برطانیہ سے مساویانہ حلیف کے ہیں۔ اور نہ کوئی ایسا معاہدہ ہے کہ اس کے خارجہ تعلقات زائل ہو جائیں۔ ۱۸۰۰ء کے معاہدہ میں سرکار عالی نے یہ وعدہ کیا تھا کہ خارجہ تعلقات حکومت انگریزی کے مشورے کے بغیر قائم نہ کریگی۔ مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ تعلقات قائم ہی نہ کئے جا سکیں گے۔

"موجودہ معاہدے سے دونوں سلطنتوں کا اتحاد اور دوستی اس قدر مضبوطی سے جڑ گئے ہیں کہ ان کو ایک ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔ اعلیٰحضرت حضور نظام اقرار کرتے ہیں کہ آئندہ نہ تو کسی سلطنت سے کوئی گفت و شنید شروع کریں گے نہ جاری رکھیں گے۔ جب تک کہ معزز ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کو پیشگی اطلاع نہ دیں اور اس کے ساتھ مشورہ نہ کر لیں۔ اور معزز کمپنی کی حکومت اپنی حد تک بذریعہ ہذا اعلان کرتی ہے کہ اسے اعلیٰحضرت کے بچوں، رشتہ داروں، رعایا، یا ملازمین سے کوئی تعلق نہیں۔ اور ان کی حد تک اعلیٰحضرت مختار مطلق ہیں۔" (فقرہ ۱۵ معاہدہ ۱۸۰۰ء)

اس معاہدے کو اسی معاہدے میں "دائمی اور عام مدافعتی حلیفی" کے نام سے یاد کیا ہے۔ معاہدے کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ حیدرآباد کے خارجہ تعلقات کی ہرگز ممانعت نہیں ہوئی حیدرآباد نے اپنے خارجہ تعلقات کو بعض شرائط سے پابند کیا ہے۔ وہ صرف مشروط ہو گئے ہیں کہ رزیڈنسی کو پیشگی اطلاع دیں اور اس سے مشورہ کریں۔ اس میں ہرگز یہ شرط نہیں کہ رزیڈنسی کا ہر مشورہ ضرور مان بھی لیا جائے۔ واقعاتی حیثیت سے یہ حقیقت ہے کہ حیدرآباد کے تعلقات اس کے بعد بھی ہندوستان کی دیگر ریاستوں سے باقی رہے ہیں مثلاً حیدرآباد کے خارجہ تعلقات پیشوا وغیرہ کی حکومتوں سے (جن پر اس وقت انگریزی برتری کا اثر نہ تھا) راست اور بلا توسط حکومت انگریزی رہے ہیں۔

اگر اس معاہدے کی تحلیل کی جائے۔ تو اس کا مطلب سوائے اس کے کچھ نہیں کہ ۱۷۹۸ء کے خفیہ دوستانہ اقرار کیا تھا توڑ دیا گیا۔ جو تیسری جنگ میسور ۱۷۹۹ء کے اعلان پر ختم ہو گیا تھا سرنگاپٹم کی یہ غالباً ایک غیر شائع شدہ شرط تھی جس کا

لارڈ ولزلی نے ٹیپو سلطان کے نام ایک خط مورخہ ۸ جون ۱۷۹۹ء میں کیا ہے کہ

"لارڈ کارنوالس، نواب غلام علی خاں، پیشوا پنڈت پردھان اور سلطان نے یہ طے کیا ہے کہ ایک باقاعدہ طریقے کے مطابق جملہ فریقوں کے علم اور رضامندی سے ہر اس سوال کا دوستانہ تصفیہ کیا جائے جو آئندہ آپ (ٹیپو سلطان) کے حلفاء میں سے کسی ایک کے لیے سرحدات کے متعلق جو آپ کے علاقہ سے متصل ہوں، پیدا ہوں۔"

چاروں سلطنتوں میں مساوی حقوق اور ذمہ داریوں کا اقرار ہوا ہے۔ اور باہمی مشورے اور منظوری کی شرط قبول کی گئی ہے۔ اور ہر ایک پر اس کی پابندی لازمی ہے۔ ۱۳۵۵ھ میں اخبار اسٹیٹسمین (کلکتہ) نے ایک تاریخی خبر کو دہرایا تھا کہ جب برطانوی حکومت نے افغانستان سے ایک معاہدے کی گفت و شنید کی تو حیدرآباد کی طرف سے سالار جنگ نے اپنا یہ حق جتایا کہ گفت و شنید صلح میں حیدرآباد کو بھی شریک رکھا جائے۔ معاہدے کے موقع پر برطانوی حکومت کو مشورہ دینا اور خود شریک عمل بنائے جانے کے لئے پیش کرنا۔ اس کی کافی مثال ہے کہ اس معاہدے کی پابندی فریقین پر لازمی ہے۔ اور اس سے حق تعلقات خارجہ زائل نہیں ہو سکتا۔ [illegible] چار ممالک میں باہمی مشورے کا ایسا ہی معاہدہ ہوا جو میثاق سعد آباد کہلاتا ہے۔ جس میں ترکی، ایران، [illegible] اور عراق نے معاہدہ کیا ہے کہ اپنے خارجہ تعلقات میں خاص کر کسی جنگ کے چھیڑنے پر باہمی مشورہ کئے بغیر کوئی کام انجام نہیں دیں گے۔ اس سے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان سلطنتوں نے اس معاہدے کے ذریعے اپنے تعلقات خارجہ زائل کر لیا۔ اس سے بڑھکر یہ کہ قول منرو کے تحت امریکہ کی کسی بھی سلطنت کو اجازت نہیں کہ وہ اپنے علاقہ میں غیر امریکیوں کو کسی بیع یا ہبہ کے ذریعہ سے حقوق عطا کر سکے۔

خارجہ تعلقات کے سلسلہ میں اسی معاہدہ ۱۸۰۰ء کے معاہدہ فقرہ (۱۶) کی رو سے حیدرآباد نے اقرار کیا کہ وہ آئندہ کسی پر تعدی اور جارحانہ جنگ کا اقدام نہیں کریگا۔ ۱۸۱۵ء میں سوئٹزرلینڈ نے ایسا ہی معاہدہ کیا تھا۔ اور سوئٹزرلینڈ کو اجازت نہیں تھی کہ وہ کسی اور سلطنت پر اعلان جنگ کا اقدام کرے اور اس کے عوض ہمسایہ سلطنتوں نے بھی اس کی حفاظت کی ذمہ داری لی تھی۔ اس قسم کے معاہدے سے خارجہ تعلقات زائل نہیں ہوئے۔

معاہدہ ۱۸۰۰ء کے فقرہ (۱۶) میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو جنگوں یا جھگڑوں میں جو حیدرآباد سے کسی ملک کے ساتھ ہوں حکم اور ثالث بننے اور بیچ بچاؤ کرانے کی خواہش کی گئی ہے۔ لیکن اس سے بھی تعلقات خارجہ متاثر نہیں ہو سکتے۔

لارڈ برکنہیڈ سابق وزیر ہند نے اپنی کتاب "انٹرنیشنل لا" میں ایک دلچسپ بحث کی اور اقتدار اعلیٰ سے بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قرون متوسط میں جب پوپ لیو سوم اور شارلمان کی امداد باہمی سے "مقدس

روحی شہنشاہیت" قائم ہوگئی تو پورے عیسائی یورپ نے اپنے بین الممالک یا بین الملوک جھگڑوں میں ان دونوں کو اپنا حکم اور آخری فیصلہ کنندہ مان لیا۔

۱۸۷۵ء میں انگلستان اور پرتگال کے خلیج دیلاگوا کے جھگڑے میں صدر جمہوریہ فرانس نے حکم کی حیثیت سے فیصلہ کیا تھا۔ حال میں افغانستان اور ایران کے سرحدی جھگڑے میں ترکی نے تحکیم کی۔ ۱۸۷۲ء میں الاباما کے مشہور مقدمے میں حاکم نے فیصلہ کیا تھا کہ انگلستان امریکہ کو ۳۳ لاکھ پونڈ ہرجہ دے۔ اگر حیدرآباد نے برطانوی حکومت کو مستقل طور پر حکم بنا دیا تو قانون بین الممالک میں یہ بھی تسلیم کر لیا گیا۔ برطانیہ وغیرہ کثیر ممالک نے "اختیاری فقرہ" پر دستخط کرکے ہیگ کی عدالت قانون بین الممالک کو حکم تسلیم کرکے اس کے ہر فیصلے کو اپنے متعلق نافذ رکھنے پر رضامندی ظاہر کی۔ کوئی نہیں کہتا کہ اس سے ان ممالک کے تعلقات خارجہ زائل ہوگئے یا ان کی آزادی خطرے میں پڑ گئی۔ بلکہ خارجہ تعلقات باقی رہنے کا ثبوت ہے۔

مدافعت اور فوج

۱۸۰۰ء کے عہدنامہ میں یہ بھی ایک شرط تھی کہ اگر کوئی تیسری سلطنت ان میں سے کسی ایک پر حملہ کرے گی تو دونوں ملکر مقابلہ کرینگی۔ نیز برطانوی حکومت نے عہد کیا کہ وہ کسی طاقت کو نظام کے ممالک محروسہ پر حملہ نہ کرنے دیگی۔ اور خود اپنے مقبوضات کی طرح نظام کے مقبوضات کی بھی حفاظت کریگی۔ اس مدافعت کے کام میں کمپنی کی مدد کرنے کیلئے طے ہوا کہ جمیعت نعلبندی میں مستقل طور پر دو پلٹنوں کا اضافہ کر دیا جائے۔ اور اس فوج کے مصارف کے لئے حیدرآباد نے چند علاقے برطانوی حکومت کو تفویض کئے۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حیدرآباد نے مدافعت کو برطانوی ہند کے تفویض کیا؟ اگر حقیقتاً غور کیا جائے تو معلوم ہوگا۔ کہ اس کا مفاد صرف یہ ہے کہ حیدرآباد نے اپنے چند علاقوں کی آمدنی کے صرفہ سے اپنے حلیف پر مدافعت کی ذمہ داری عائد کی نہ کہ اپنی آپ مدافعت کرنیکا حق کھو دیا۔ حیدرآباد اپنی مدافعت ہمیشہ خود ہی کرتا رہا۔ اور اپنے مدافعت کے حق سے دست بردار نہیں ہوا۔ اور یہ تاریخی حقیقت ہے کہ جمیعت نعلبندی نے حیدرآباد کی کبھی مدافعت نہیں کی۔ عدم امداد ہی کے باعث حیدرآباد کے بعض صوبے پیشوا وغیرہ کی ہمسایہ حکومتوں کے قبضہ میں چلے گئے اور بعض خود مختار ہوگئے۔ جن کو ان سے ایسٹ انڈیا کمپنی نے بعد میں فسخ کر لیا۔ بلکہ حیدرآباد نے برطانوی ہند کی مدافعت کی۔ کیونکہ اسی معاہدہ میں یہ شرط بھی تھی کہ تیسری طاقت سے انگریزوں کی جنگ چھڑنے کی صورت میں حیدرآباد برطانوی حکومت کی مدد کرے۔ اور ہر جنگ میں حیدرآباد نے اپنی فوج اور مال سے مدد دیا۔

حیدرآباد کی اپنی فوج ہے اور اس کی تعداد پر کوئی تعیناتی قید نہیں۔ عصری حربی اسلحہ سربراہ ہونے کی کوئی ممانعت نہیں۔ حیدرآباد نے اپنا توپ کا سانچہ اور مرمت کا کارخانہ محض اس وعدہ پر برخاست کیا کہ عصری اسلحہ برطانیہ مہیا کرے گی۔ حیدرآباد کی عسکری و حربی طاقت

کی عظمت کے لئے ہم قائد ملت نواب بہادر یار جنگ بہادر کی تقریر "حیدرآباد اور بعض خود مختار ممالک" کا ایک حصہ نقل کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔

"میرا جواب بلا تردد اس بات میں ہے کہ اعتراض کرنے والوں نے حیدرآباد پر بہت ہی سرسری نظر ڈالی۔ انہوں نے اسکی تاریخ اور جغرافیہ کا پورا مطالعہ نہیں کیا۔ وہ صرف امپریل سروس ٹروپس، گولکنڈہ لانسرز، کیاولری گارڈ انفنٹری توپ خانہ اور نظم جمعیت کو ہی حیدرآباد کا کل عسکری نظام خیال کرتے ہیں۔ اور الوال، ترنگیری، بلارم کی افواج کو انہوں نے بالکل جداگانہ طاقت خیال کر رکھا ہے۔ حالانکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ فوجیں ابتدائی انگریز لشکر فوجیں نہیں بلکہ عساکر آصفی ہیں۔ جو حیدرآباد کے خرچ پر حیدرآباد کیلئے اس کے قابل احترام حلیف سلطنت عالیہ برطانیہ نے تیار کیں اور تیار رکھی ہیں۔ اب ان سب تو توں کو یکجا کرو۔ اور بتاؤ کہ کیا حیدرآباد کا نظام فوجی کسی اور نظام عسکری سے کم ہے۔ پھر جغرافی حیثیت کو بھی نظر انداز نہ کرنا چاہیئے۔ کہ دوسری حکومتیں اپنے اطراف و جوانب اغیار کا ہجوم رکھتی ہیں۔ افغانستان کے ایک طرف انگریز ہیں جن سے اس کی کبھی نہیں بنتی۔ دوسری طرف روس ہے جو اپنے موقع کو کبھی ہاتھ سے نہیں دینا چاہتا۔ تیسری طرف ایران ہے جسے ایک حریف حکومت کہا جا سکتا ہے۔ جو تاریخ قدیم میں بھی سیستان اور اس کے مشرقی علاقوں سے ہمیشہ برسر پیکار رہا یہی حال خود ایران، عراق، حجاز، ترکیہ اور تمام یورپ کی آزاد اور خود مختار مملکتوں کا ہے۔ برخلاف اس کے حیدرآباد اپنے اطراف صرف ایک مملکت رکھتا ہے جو اس کی دوست اور ایسی حلیف ہے جس کے عہد محبت کو سلاطین آصفیہ نے تاریخ کے ہر دور میں مضبوط رکھا۔ جنوب اور مغرب کی طاقتیں جن سے حیدرآباد کو آئے دن برسر پیکار رہنا پڑتا تھا۔ تاریخ کے ابتدائی اس دور میں ختم ہوگئیں جب کہ وہ اعلان خود مختاری کیا گیا تھا جس کی ہم یاد منا رہے ہیں۔"

ڈاک اور سکہ

خود مختاری کی دو ظاہر نشانیاں ڈاک اور سکہ حیدرآباد کے اپنے مستقل ہیں جسطرح خود مختا

بادشاہ یا اس کا سفیر دوسرے ملک میں جائے تو جہاں کہیں وہ ہو وہ مقام اس کے قیام تک اسی کے ملک کا حصہ سمجھا جاتا ہے۔ حیدرآباد کے عہدہ داران سرکاری باہر جاتے ہیں تو نہ صرف ان کو سرکاری کاغذات حیدرآباد سے اصلی ٹکٹ لگا کر بھیجے جاتے ہیں۔ بلکہ جب وہ خود برطانوی ہند سے حیدرآباد کا کوئی سرکاری کاغذ بھیجتے ہیں تو اس پر صرف حیدرآباد ہی کی سرکاری ٹکٹ لگائی جاتی ہے۔ خانگی ڈاک کے متعلق بھی برطانوی ہند سے بالکل مساوات کا معاہدہ ہے۔ مگر یہ قاعدہ تھا کہ حیدرآباد کی ٹکٹ لگا کر برطانوی ہند کو خط بھیجا جائے تو مرسل الیہ سے مزید محصول وصول کیا جائے گا۔ اور برطانوی ہند سے آئے ہوئے خطوط پر حیدرآباد کا ڈاک خانہ بوقت تقسیم اپنا محصول وصول کرے گا اور اس معاہدہ تبادلہ ڈاک کے اصول کے باعث دونوں علاقوں کی رعایا کو تکلیف تھی۔ ایک برطانوی پوسٹ ماسٹر نے اپنی حکومت کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ حیدرآباد اور برطانوی ہند میں اصول مساوات تو قائم رہے لیکن ہر علاقہ اپنا اپنا محصول ڈاک جداگانہ وصول کرنے کے بجائے۔ عام اصول ہی پر عمل ہو جو دنیا میں رائج ہے۔ ایک ہی علاقہ اپنے ڈاک خانوں میں ڈالے ہوئے اشیاء کا محصول لے اور دوسرا علاقہ ان کو مرسل الیہ سے مزید محصول لئے بغیر تقسیم کرا دے یہ تجویز ریزیڈنسی سے سرکار عالی طرف پیش ہوئی تھی۔ اور سرکار عالی نے عملاً منظور کر لی۔ مگر برطانوی ڈاک خانہ نے پر عمل نہیں کیا۔ ایک سالانہ نوٹس پر اس معاہدے کو منسوخ کرنے کا معاہداتی حق نظر ثانی پر آمادہ کرنے کو آسان بنا چکا ہے۔

ایک سوچنے کی بات

جانوروں کا خاصہ ہے کہ وہ بے قابو ہو کر چرنے چگنے کیلئے نکل جاتے ہیں۔ اور یہ سمجھتے ہیں کہ مال کسی کا بھی ہو اور تلف کیوں نہ ہو جائے مگر وہ انکی غذا ہے۔

اگر انسان کسی کے مال کو ہضم کرلے اور دن رات کھانے کمانے کی فکر میں لگے رہے۔ کیا وہ انسان کہلانے کا مستحق ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

خلافتِ محمدیہ کی اہمیت

از

حضرت مولانا صدیق دیندار چن بسویشور صاحب قبلہ

یہ کتاب خلافت بشرہ کی تمہید ہے۔ جو عنقریب شائع ہوگی جو نہایت ہی اعلیٰ انکشافات سے مزین ہے ہم یہ مضمون اس لئے شائع کر رہے ہیں تا اس کتاب کی اہمیت معلوم ہو۔

(مدیر)

وعد اللہ الذین اٰمنو منکم وعملوا الصّٰلحٰت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضٰی و لیبدلنھم من بعد خوفھم امنا یعبدوننی لا یشرکون بی شیئًا ومن کفر بعد ذالک فاولٰئک ھم الفٰسقون (نور)

آیت استخلاف جس سے استدلال کر کے متقدمین نے تنظیم کے لئے خلیفے منتخب کئے ان متقدمین میں سب سے اول گروہ صحابہ کرامؓ کا ہے۔ انھوں نے اس آیت سے استدلال کر کے متفق طور پر اجتماعی حیثیت سے اپنی تنظیم کے لئے مختلف زمانوں میں چار خلیفوں کا انتخاب کیا۔ حالانکہ ہم صحابۂ کرامؓ میں یہ ذاتی جوہر دیکھتے ہیں کہ انکا ہر فرد مختلف ممالک میں منتشر ہو کر حکومتوں کے مراکز قائم کرنے کی قابلیت رکھتا تھا۔ باوجود اس کے ان کے پاس مسئلہ خلافت کی اتنی اہمیت تھی۔ اور بجز اپنا خلیفہ بنائے انکا معاملہ ناگزیر تھا۔

بظاہر ہم دیکھتے ہیں کہ صحابۂ کرامؓ کے پاس کوئی سبب نہ تھا کہ وہ اپنے لئے خلیفہ کا انتخاب کریں اس وقت ان کا دین مضبوط تھا۔ ان کے عقائد غیر متزلزل تھے سلطنت مستحکم اور مضبوط بنیادوں پر قائم تھی۔ جمہوریت سے سلطنت کے چلانے کا بہترین سامان تھا۔ وہ عربستان پر پورے قابض تھے۔ اور دنیا کو عرب کی طاقت ہمیشہ خوف زدہ کرتی رہتی تھی۔ اس لحاظ سے باہر کے کسی حملے کا اندیشہ بھی نہ تھا جب ایسے زبردست

اسباب تھے۔ تو پھر انہوں نے اپنے لئے خلیفہ کا انتخاب کیوں کیا؟ ہمارے پاس اس کا سبب یہ نظر آتا ہے کہ صحابۂ کرام رضی کے پاس تنظیم مد نظر تھی۔ اور فلسفہ کائنات پکار کے کہہ رہا تھا کہ دنیا میں کسی قوم یا ملک کی شیرازہ بندی نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ ایک قابل اطاعت وجود کا انتخاب نہ کرے۔ اس فلسفہ کی تائید میں آیت استخلاف کی بشارت موجود تھی اور اس کی تفسیر میں ان کے پاس یہ حدیث بھی تھی۔ یا علی ان اللہ امرنی ان اتخذ ابابکر والدا وعمر مشیرا وعثمان سندا وانت یا علی ظہرا فانتم اربعۃ قد اخذ اللہ میثاقکم فی الکتب لایحبکم الا مومن ولا یبغضکم الا فاجر انتم خلائف نبوتی وعقد ذمتی وحجتی علی امتی لاتقاطعو ولا تدابروا وتغافروا (ابونعیم فی فضائل الصحابہ وابن عساکر عن علی) ابن عساکر عن حذیفہ کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۶۰۔

صحابۂ کرام رضی کو اپنے پر امن زمانہ میں مسلمانوں کی تنظیم کے لئے خلافت کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ تو بھلا بتائیں اس پر فتن زمانہ میں جس سے تمام انبیاء نے ڈرایا۔ اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ڈرایا تو بدرجۂ اولیٰ مسلمانوں کی تنظیم کے لئے خلافت کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اور جس طرح صحابۂ کرام رضی کو آیت استخلاف کی بشارت اور حدیث کی تائید حاصل ہے۔ ہم کو بھی بدرجہ اولیٰ اس آیت کی بشارت اور حدیث کی تائید حاصل ہے وہ حدیث یہ ہے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکون فیکم النبوۃ ما شاء اللہ ان تکون یرفعہا اللہ تعالیٰ ثم تکون خلافۃ علی منہاج نبوۃ ما شاء اللہ ان تکون یرفعہا اللہ تعالیٰ ثم یکون ملوک عاضا ما شاء اللہ ان یکون یرفعہ اللہ تعالیٰ ثم یکون خلافۃ علی منہاج نبوۃ ثم سکت (رواہ احمد فی مسندہ و البیہقی فی دلائل النبوۃ وکذا فی المشکوٰۃ)

ہمارے زمانہ کا جو حال ہے۔ اس کا نقشہ آقائے نامدار مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں ہو بہو کھینچا ہے۔ فرمایا۔ آخری زمانہ میں میری امت کثرت سے رہیگی مگر تنظیم نہ ہونے کی وجہ خس وخاشاک کی طرح اڑتی رہیگی۔ وہ فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی یہودیوں کی طرح بھائی۔ بھائی کا گلا کاٹیگا۔ کافران پر مسلط ہو جائیں گے۔ جس کی وجہ سے رائی کے دانہ کے برابر بھی ان میں ایمان نہ رہیگا۔ بصرہ۔ بغداد کا علاقہ کشت و خون کا میدان ہوگا۔ ترکوں کی سلطنت کا خاتمہ ہوگا۔ یاجوج ماجوج چھوڑے جائیں گے۔ وہ انسانوں کو کھاتے رہیں گے۔ ہر جگہ دجال کا فتنہ ہوگا۔ (۷۲) ہزار مسلمان گمراہ ہو کر اس کے پیچھے لگ جائیں گے۔ بادشاہوں پر بادشاہ ٹوٹ پڑیں گے۔ ہم یہ نظارہ آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اور کانوں سے سن رہے ہیں۔ قوموں پر قومیں ٹو

ہو رہی ہیں۔ ہر قوم اپنی جگہ ایک خود ساختہ سیاسی تحریک رکھتی ہے۔ اپنی تحریک کو تشدد کے ساتھ دوسروں کو منوانے کی کوشش میں لگی ہوئی ہے۔ جنگ کی وجہ سے ملک کے ملک برباد ہو رہے ہیں جس زمین پر دنیا بھر کے آرائش وزیبائش اور آرام و اطمینان کے بے مثل سامان تھے۔ اس سرزمین کے شہر گولہ باریوں اور بم اندازیوں و آتشباری سے ایسے برباد ہیں کہ وہ خاکستری اور کھنڈروں سے تبدیل ہو گئی۔ ایک کروڑہا انسان اس قیامت خیز جنگ کے دیوتا پر بھینٹ چڑھ گئے۔ ایسی حالت میں ہر مسلمان حیران و پریشان ہے اگر ایک طرف خوف دامنگیر ہے۔ تو دوسری طرف تمکین دین سے ناامیدی ہے۔ کسی مسلمان کو کوئی سہارا نظر نہیں آتا۔ اپنی ڈوبتی ہوئی حالت دیکھکر ہر تنکے کا سہارا پکڑ رہا ہے۔ کوئی سہارا اب تک اسکو ڈوبنے سے بچانیوالا نہیں ملا۔ کئی سہارے اس کے سامنے سے گذر گئے۔ اس کی مایوسی اور بیکسی کی کوئی مد نظر نہیں آرہی ہے۔ ایسے زمانہ میں اس فقیر کا ایمان ہے کہ یہ آیت استخلاف جو سورۂ نور میں ہے محض ایسے ہی زمانوں کے علاج کیلئے ہے۔ کیونکہ اس میں اس بات کی بشارت ہے کہ جب کبھی مسلمانوں کا دین تزلزل میں آجائے گا، اس وقت ان کی تمکین دین کے لئے ان کا خلیفہ ہی ذمہ دار ہوگا۔ جو اللہ کے وعدے کی بنا پر مسلمان اجتماعی حیثیت سے منتخب کرلیں گے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو خطاب کرکے فرماتا ہے لیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم یعنے مسلمانوں کو اور دین کو اللہ تعالیٰ ان کے خلیفہ کے ذریعہ سے مستحکم و مضبوط کریگا۔ کیونکہ ان کا دین جو دین اسلام ہے اس سے وہ راضی ہے اور مسلمان دین اسلام سے راضی ہیں تکمیل دین اور اتمام نعمت کی بشارت بتارہی ہے کہ مسلمان کسی وقت تباہ و برباد نہیں ہونگے۔ انہیں ہر قیامت خیز زمانوں میں نبیوں صدیقوں اور شہداء اور صالحین کی بیعت والوں کو اللہ تعالیٰ کھڑا کریگا۔ ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا کی بشارت بتارہی ہے کہ مسلمانوں کے لئے ہر خطرناک اور خوفناک ہیبتناک و وحشتناک اور غضبناک زمانہ کو اللہ تعالیٰ امن سے بدل دیگا۔ اور ہر وقت ایسے انقلاب اور سیاسی پیچیدگیوں کے زمانہ میں دینی حکومت خلیفوں ہی کے ذریعہ سے قائم ہوگی۔ اور حدیثوں سے یہ بھی بشارت ہے کہ کافروں کی سیاسی پیچیدگیوں کے زمانہ میں مسلمان اجتماع کرکے اپنے خلیفے کا انتخاب کرلیں گے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ خلفاء راشدین کا زمانہ اپنی پوری شان وشوکت سے گذر گیا۔ ان کے بعد مسلمانوں کے جاہ وجلال کا زمانہ آیا جس میں بڑے زبردست جلال والے بادشاہوں نے دنیا کی روح کپا کے چھوڑا مسلمانوں کے رعب سے دنیا کی اقوام لرزہ بر اندام ہوتی رہیں۔ اس عظیم الشان سلاطین اسلامیہ کا زمانہ تیرھویں صدی کے آغاز میں ختم ہوتا ہے۔ ہمارا یہ زمانہ الحمدللہ دوبارہ غلبہ اسلام کو قائم کرنے والا ہے جسکی تنظیم کے لئے محض اللہ نے اپنے فضل سے حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جود وعطا سے دوبارہ خلافت کی بشارت دی ہے جس کا قائم کرنا ہمارے ذمہ ہے۔

یہ فقیر صرف مسلمانوں کی واقفیت کے لئے موجودہ زمانہ میں جو سیاسی تحریکیں کارفرما ہیں۔ وہ پیش کردینا چاہتا ہے تاکہ وہ غور کریں کہ وہ اسلام کے لئے کس قدر خطرناک ہیں۔

فسطائیت سوشلزم یعنی اجتماعی ملکیت کی قائل ہے نہ سرمایہ داری کی۔ یہ انفرادی ملکیت کو تسلیم کرتی ہے مگر خیال یہ ہے کہ تجارت۔ صنعت و حرفت حکومت کے زیر نگرانی ہو۔ بہ لحاظ پیشہ انتخابات ہوتے ہیں اس کا مقصد روما کی کھوئی ہوئی عظمت کو حاصل کرنا ہے۔

نازیت یہ تحریک نازیوں کا نسلی تفوق قائم کرنا چاہتی ہے۔ اور ان کا معاشی حل بھی اس کے پیش نظر ہے۔ اور ان کا ایک ڈکٹیٹر ہوتا ہے وہ ہر امر میں مطاع ہوتا ہے۔

اشتراکیت یہ اجتماعی و مشترکہ ملکیت کا نام ہے۔ اس کا مقصد طبقاتی اختلافات کو مٹا دینا۔ انفرادی ملکیت کا ختم کرنا۔ معاشیات کو حیثیت اجتماعی سمجھنا اور دیگر شعبہ ہائے زندگی کو اس کے اجزاء قرار دینا نظریہ مذہبیت کا انکار کرنا ہے۔

جمہوریت اس میں عوام کا اقتدار ہوتا ہے۔ حکومت عوام کے حسب خواہش کام کرتی ہے۔ ہر شخص کی رائے میں اختلاف ہونے کی وجہ سے عمل سہولت کے لئے یہ قرار دیا گیا کہ حکومت اکثریت کی خواہشات کی پابند ہوگی اس کا دائرہ اسقدر وسیع ہے کہ ہر بالغ کو رائے دہندگی کا حق حاصل ہے۔

چونکہ فقیر کے پاس مندرجہ بالا تحریکات انسانی فکر و تدبر کی پیداوار ہیں۔ اسی لئے وہ کل کی کل انسانیت کیلئے اب تک تباہ کن ثابت ہوئیں۔ اور آئندہ بھی تباہ کن رہینگی۔ ان کا علاج خلافت ہی کرسکتی ہے جو بفضل رب العالمین بطفیل رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم صرف مسلمانوں ہی میں یہ بشارت چلی آرہی ہے۔

توقع ہیکہ احباب "آواز" کی توسیع اشاعت میں ممکنہ حصہ لیں گے۔

(مینیجر)

تصانیف مولانا صدیق دیندار چن بسویشور صاحب قبلہ مدظلہ

قواعد حرب مسلمانوں میں عسکری تنظیم و یکرنگی و ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے یہ رسالہ لکھا گیا ہے اس میں وہ تمام قواعد اور اوامر موجود ہیں جنکا ایک سپاہی کو جاننا ضروری ہے۔ یہ رسالہ پانچ حصوں پر مشتمل ہے۔ (۱) اوامر صف بندی میں (۲) اوامر حرکت میں (۳) بندوق کے استعمال میں (۴) سنگین یا تلوار کے استعمال میں (۵) میدان جنگ کے اشاروں میں۔ قیمت ۱ر

معیار خلافت جس میں خلیفۂ بشر کے معیارات بیان کئے گئے ہیں۔ اور یہ کتاب خلافت بشرہ مصنفہ حضرت مولانا صدیق دیندار چن بسویشور صاحب قبلہ کا ایک حصہ ہے جو عنقریب شائع ہوگی معیار خلافت بلا اجرت دفتر خلافت دیندار انجمن محلہ آصف نگر حیدرآباد سے حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم یعنے جگت گرو یہ وہ کتاب ہے جس کو ہندوستان کی مذہبی دنیا میں غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ اس کے دو حصہ ہیں (۱) موجودہ کتب سماوی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت اور خصوصاً ہندوؤں کی کتب مقدسہ میں وضاحت سے موجود ہیں (۲) مسئلہ قربانی گاؤ (برائے ہند و مسلم اتحاد) جس میں اس بات کا ثبوت دیا گیا ہے کہ بزرگان ہنود نے گائے کی قربانی کی ہے اب تک اس کتاب کی کئی بار اشاعت ہوچکی ہے یہ اس کی اشاعت پنجم ہے جس میں کچھ مضامین کا اضافہ ہوا ہے۔ قیمت ۴ر

لنگایت خصوصاً ایسے زمانہ میں جبکہ گاندھی جی نے تحریک ہریجن کے ذریعہ دراوڑی قوم کو (جو شیوا کے ماننے والے ہیں) وشنو کے ماننے والوں میں ضم کرنے کی درپردہ کوشش کی ہے۔ مولانا صدیق دیندار چن بسویشور صاحب قبلہ نے اس کتاب کی اشاعت سے قوم لنگایت پر ایک بڑا احسان کیا ہے۔ ہریجن یعنے ہرا ہری کے راز کو فاش کرکے آپ نے معقول دلائل سے ثابت کیا ہے کہ قوم لنگایت میں باوجود تغیرات زمانہ و جغرافیائی اثرات کے اب بھی ان کے تمدن معاشرت تہذیب وغیرہ کے بنیادی اصول عربوں ہی کے مماثل ہیں۔ مسلمانوں اور لنگایت قوم کے اعتقادات رسم و رواج۔ عادات و اطوار میں اتحاد پایا جاتا ہے۔ بلکہ ان کے رسم خط میں بھی ام الالسنہ عربی کے رسم الخط کی مماثلت سے بحث کرکے یہ بتایا گیا ہے کہ موجودہ انقلاب ہند میں قوم لنگایت جو اقلیت میں ہے اپنی انفرادیت کو کس طرح باقی رکھ سکتی ہے

رازِ حیات

مصنفہ مولوی محمد عبد القادر صاحب مبلغ اسلام

اب جبکہ واقعات عالم نے ایک خطرناک اور پُر از ہیجان شکل اختیار کر لی ہے۔ ہر قوم روبعمل ہے ہر قوم کے آگے زندگی اور موت کا سوال ہے۔ تو ایسی صورت میں مسلمانوں کا غافل رہنا انکو فنا کے قریب کر دیگا۔ ایسے موقعہ پر یہ چھوٹا سا رسالہ شائع کیا گیا ہے جسکا مقصد مسلمانوں کو صحیح راہ عمل پر لگانا ہے اسمیں واقعات حاضرہ پر باتفصیل بحث کر کے اس کا تجزیہ کیا گیا ہے اور اس کے بعد قرآنی آیات کی روشنی میں انکا حل بتایا گیا ہے۔ اور قرآن ہی سے مسلمانوں کیلئے موجودہ متوحش حالات میں ایک نصب العین تجویز کیا گیا ہے جسمیں یقیناً انکی فلاح ہے جن لوگوں کو یقین ہے کہ قرآن مکمل اور اکمل کتاب ہے اور اس کی تعلیم انسانی شعبہ کیلئے مفید ہے تو اس کتاب کا ضرور مطالعہ کریں قیمت ۲/

ظہورِ چن بسویشور

مصنفہ حضرت مولانا صدیق دیندار چن بسویشور صاحب قبلہ

آج سے تقریباً نو سو سال پیشتر بزرگان اقوام دکن نے اپنی کتابوں میں ایک انسان کے آمد کی بشارت دی ہے جو دیندار اور مسلمان ہوگا اور اپنی قوم کو یہ ہدایت دی ہے کہ اس کے ساتھ ہو جائیں اور مذہب اسلام قبول کریں یہ پیشگوئیاں بارہ ہزار فقرات میں ہیں۔ اسمیں (۹۶) زمین و آسمان کے نشانات ہیں جنمیں سے اکثر لفظاً بلفظ پوری ہو چکی ہیں اور دیندار چن بسویشور کے (۵۶) نشانات ہیں جو کل کے کل حضرت مولانا صدیق دیندار چن بسویشور صاحب قبلہ میں پائے جاتے ہیں۔ اس کتاب میں مختصر مگر جامع طور پر ذکر کیا گیا ہے اس کتاب کا مطالعہ ہندوستان کے ہر انسان کے لئے خالی از فائدہ نہ ہوگا۔ قیمت ۴/

آریہ سماجی تحریک کا جواب

سرکار عالی کیطرف سے جو پمفلٹ آریہ سماجیوں کی سیاسی اور مذہبی حالات کا انکشاف کرنیوالا نکلا ہے۔ اس کے سیاسی حصہ کا جواب سرکار عالی نے معقول طریقہ پر دیا ہے اور مذہبی حصہ کو صرف چھوڑ دیا گیا۔ اور مذہبی اعتراضوں کی وجہ لوگ اکثر شبہ میں ہیں مثلاً (۱) یہ اعتراض کہ (نعوذ باللہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ بغیر پیدا ہونے پر ناجائز تعلق کا اندیشہ ہوتا ہے (۲) (نعوذ باللہ) حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ہندو قبیلہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ (۳) سری کرشن بدمعاش اور چور تھے۔ (۴) انجیل دروغ بافیوں سے بھری ہوئی ہے (۵) حقیقتاً قرآن اور پرانی کہانیاں یکساں طور پر دروغ بافی کرتے ہیں (۶) حوا حضرت آدم کی پسلی سے پیدا ہوئی تھیں لیکن بعد انکی بیوی ہو گئیں (۷) حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے بڑے سائنسدان تھے تو پھر کیوں (نعوذ باللہ من ذالک) وہ عمر بھر اس جھوٹی بات کو [illegible] مانتے رہے کہ آسمان کسی سہارے پر قائم ہے۔ دیندار انجمن کی طرف سے ان تمام اعتراضات کا جواب عقلی و حقیقی دلائل [illegible] پیرایہ میں دیا گیا ہے کہ اسکا طرز مناظرانہ طریقوں سے جدا ہے جسکے مطالعہ سے یہ معلومات بہم پہنچتے ہیں کہ [illegible] اور اعتراضات کرنیوالوں کو ساکت کر دیگا قیمت ۱/

ملنے کا پتہ (۱) منیجر دیندار کتب خانہ نزد جامع مسجد سکندرآباد

مطبوعہ - مطبع مکتبہ ابراہیمیہ حیدرآباد

ماہنامہ آواز کا دائرہ عمل

الف۔ مذہبی (۱) تبلیغ اسلام (۲) فرقہ ہائے اسلام میں اتحاد پیدا کرنا (۳) مذاہب عالم کے بانیوں کا احترام کرنا (۴) مذاہب عالم کی اصلی تعلیم کو انکے تحقیقی رنگ میں پیش کرنا (۵) دنیا میں اسلام کے امن و سلامتی کے اصول پیش کرنا۔

ب۔ اخلاقی مضامین کو بالکل جاذب و جدید رنگ میں پیش کرنا۔

ج۔ علمی معلومات و تحقیقات جدید پر مقالات و تبصرے۔

د۔ دور حاضرہ کے مسائل عمومی سے بالکل غیر جانبدارانہ طریقہ پر قارئین "آواز" کو باخبر رکھنا۔

قواعد دفتر ماہنامہ آواز

(۱) ماہنامہ ہذا کا ہر پرچہ ماہ ہلالی کے پہلے عشرہ میں شائع ہوگا۔ (۲) اگر کسی خریدار کو اس مہینے کی آخری تاریخ تک پرچہ وصول نہ ہو تو دفتر ہذا کو عدم وصول کی اطلاع دیکر دوسرا پرچہ مفت طلب کیا جا سکتا ہے ورنہ دوسرے ماہ کا پرچہ شایع ہو جانے کے بعد عدم وصول کی ذمہ داری دفتر ہذا پر نہیں رہیگی اور قیمت پرچہ ہر ادا کرنی پڑے گی۔ (۳) سالانہ چندہ ہر حالت میں پیشگی وصول کیا جائیگا۔ رقم کا بذریعہ منی آرڈر بھیجنا یا وی پی پر قیمت ادا کرنا خریدار کی سہولت اور مرضی پر منحصر ہے (۴) مقام تبدیل فرمائیں تو دفتر ہذا کو مطلع کیجئے تاکہ صحیح پتہ سے پرچہ بھیجا جا سکے (۵) استفساری امور کے لئے جوابی خط لکھنا ضروری ہے۔

قابل توجہ مضامین نگار حضرات

(۱) بلحاظ مقاصد مضامین کو شائع کرنے نہ کرنے کا حق ادارہ کو حاصل رہے گا۔

(۲) ہر مضمون نگار کے خیال کے ساتھ ادارہ کا متفق الرائے ہونا ضروری نہیں ہے۔

(۳) ہر مرسلہ مضمون دفتر ہذا کے اخراجات سے واپس نہیں کیا جائے گا۔

ایک سال کیلئے پرچہ مفت

(۱) ہر ایسے خریدار جو اپنے زمانہ خریداری میں (۵) خریدار پیدا کرے۔

(۲) یا ایسے غیر خریدار جو دس خریدار پیدا کرے تو انکی خدمت میں ایکسال تک پرچہ مفت ارسال ہوگا۔ اور شکریہ علیحدہ

مشتہرین

اشتہار کے لئے خط و کتابت سے نرخنامۂ اجرت طبع طے فرمالیں تو مناسب ہوگا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم　　　　نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

فہرست مضامین ماہنامہ آواز جلد ۴ شمارہ ۱۲

بابتہ ماہ ذی الحجہ ۱۳۶۱ ہجری

ہمارا نیا سال اور شہید نمبر
کاغذ کی گرانی

ماہ محرم الحرام ۱۳۶۲ھ سے ہمارا نیا سال شروع ہوگا۔ گذشتہ سالوں میں ماہنامہ آواز نے جو خدمت کی ہے وہ ظاہر ہے۔ ادارہ نے یہ کوشش کی کہ نہایت ہی علمی مضامین شایع ہوں۔ قارئین آواز کے اجتماعی علوم و مذہبی معلومات میں اضافہ ہو۔ اس کے باوجود اس کے سالانہ چندے میں کسی قسم کا بھی اضافہ نہیں کیا گیا تھا۔ کیونکہ مقصود دینی خدمت ہے نہ کہ تجارت۔ لیکن بوجہ جنگ کاغذ کی قیمت میں دن بہ دن اضافہ ہو رہا ہے۔ اس لئے نئے سال سے آواز کا سالانہ چندہ مبلغ ۲ روپے (سکہ عثمانیہ اور دو روپیہ سکہ کلدار) ادارہ نے مقرر کیا ہے امید کہ احباب ابتدائی سال ہی میں اپنا چندہ روانہ فرما دیں گے۔ اگر مناسب سمجھیں تو بذریعہ وی۔ پی آواز روانہ کیا جائے گا۔ ماہ محرم ۱۳۶۲ھ میں شہید نمبر شائع ہوگا جس میں خاص مضامین کی اشاعت کا انتظام کیا گیا ہے۔

منیجر

قرآنی سیاسیات (بسلسلۂ گذشتہ)

قرآنی نظریہ

سیاسیات، تمدنی علم ہونے کی وجہ سے غیر قطعی ہے۔ اس کے حقائق میں ہمیشہ تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ تمدنی علوم کے جاننے کیلئے انسانی مقاصد کا جاننا اور انہیں سمجھنا ضروری ہے کیونکہ تمدنی علوم کا موضوع انسان ہے جو شعور اور ارادہ رکھتا ہے۔ اپنے بنائے ہوئے اداروں میں تغیر و تبدل کر سکتا ہے۔ کشمکش آرزو ہر زمانہ میں انسانوں کو بیچین رکھتی ہے۔ اجتماعی زندگی انسانی جدت کی بدولت تغیر کی ایک تصویر ہے۔ اجتماعی زندگی کے لئے مملکت کی ضرورت تو ہے بشرطیکہ اس سے اعمال انسانی نتیجہ خیز بنیں۔ وہی حکومت بہتر ہو سکتی ہے جس میں آزادی اور نظام عدل رہے۔ جو اس کی وجہ وجود ہے اگر حکومت اس مقصد کو پورا نہیں کرتی تو وہ بے سود ہے۔ چاہے اسکی اصطلاحیں کتنی ہی مرعوب کن کیوں نہ ہوں۔ انسانی آرزو "اچھی حکومت" کی متلاشی ہے۔ اچھی حکومت وہی ہو سکتی ہے جس میں آزادی اور عدل برقرار رہے۔ افراد مملکت میں اعلیٰ کردار اسی وقت پیدا ہو سکتے ہیں جبکہ وہ آزادی کی ہوا میں سانس لیں۔ انسان آزاد منش ہے خودی کی پرورش کے لئے آزادی ضروری ہے غلامی کی بے آب و رنگ زندگی انسانیت کیلئے باعث ننگ ہے۔

متذکرہ بالا نظریات مملکت کا تجزیہ کیا جائے۔ تو سیاست دانوں کے اقتدار اعلیٰ کے متعلق دو تخیل معلوم ہوتے ہیں۔

آ بتاؤں تجھکو رمز آیت ان الملوک — سلطنت اقوام غالب کی ہے اک جادوگری
خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر — پھر سلا دیتی ہے اسکو حکمراں کی ساحری
جادوئے محمود کی تاثیر سے چشم ایاز — دیکھتی ہے حلقۂ گردن میں ساز دلبری

قرآنی نقطۂ نظر سے اقتدار کا سرچشمہ نہ فرد اور نہ کوئی جماعت خواہ وہ کتنی ہی اکثریت کیوں نہ رکھتی ہو نہیں ہو سکتی۔ قرآنی تعلیم کی رو سے اقتدار سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو حاصل نہیں۔ جو ازلی ابدی اور واجب بالذات ہے وہی کائنات کا حقیقی حکمران ہے۔ اسی کے آگے فطرت انسانی اپنی جبین نیاز جھکا سکتی ہے۔ اس سے بڑھکر فکر و عمل انسانی کی کوئی رہنمائی نہیں کر سکتا۔ اقبال مرحوم نے "اسلامی الٰہیات کی جدید تشکیل" میں اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے ایک لطیف نکتہ پیدا کیا۔

"اسلام بحیثیت ایک نظام سیاست کے اصول توحید کو انسانوں کی جذباتی اور ذہنی زندگی میں ایک زندہ عنصر بنانے کا عملی طریقہ ہے اس کا مطالبہ وفاداری خدا کے لئے ہے نہ کہ تخت و تاج کے لئے ہے۔ اور چونکہ ذات باری تمام زندگی کی روحانی اساس ہے اس لئے اس کی اطاعت کیشی کا درحقیقت یہ مطلب ہے کہ انسان خود اپنی معیاری فطرت (اعلیٰ صفات) کی اطاعت کیشی اختیار کرتا ہے"۔

اس طرح اصلی حکومت قرآنی نظام حکومت ہی ہو سکتا ہے جس میں انسان۔ انسان کا غلام نہیں بنایا جاتا بلکہ اقتدار کا ماخذ اللہ تعالیٰ ہے

ان الحکم الا للہ (۶ : ۵۷) لا یشرک فی حکمہ احدا (۱۸ : ۲۶) الیس اللہ باحکم الحاکمین (۹۵ : ۸) } حکومت اللہ ہی کی ہے۔ وہ اپنی حکومت میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔ کیا اللہ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں۔

اخلاقی پابندی

اگر جدید سیاست کا قدم دن بہ دن درندگی کی طرف بڑھ رہا ہے۔ تو اصلی وجہ یہ ہے کہ وہ اخلاق و مذہب سے دور رہنا اپنے لئے مفید سمجھتی ہے۔ سولہویں صدی عیسوی میں میکیا ولی نے یہ تعلیم دی کہ مملکت کو مذہب و اخلاق سے بالاتر ہونا چاہئے۔ مملکت کو یہ حق دیدیا کہ وہ اپنے استحکام کے لئے جو ذرائع بھی چاہے استعمال کرے۔ اس نے سچ اور جھوٹ کو ایک صف میں لا کھڑا کیا۔ اگر کوئی اپنے اخلاقی اصول کی وجہ مملکت کو تھوڑا سا عارضی نقصان پہنچاتا ہے۔ تو وہ میکیاولی کے نزدیک مجرم ہے۔ اس حیلہ اندازی اور ابن الوقتی کو عین سیاست سمجھا گیا اور ہر سیاست کار نے اس پر عمل کرنا ضروری سمجھا۔ اگر سیاست میں بد اخلاقی روا رکھی جائے۔ تو یہی چیز کی کارفرمائی ہمارے تمام اعمال میں ہوگی۔ کیونکہ ہماری زندگی کا مخصوص نقطہ نظر ہمارے تمدن کے ہر پہلو میں موجود رہیگا۔ سیاست و اخلاق کی تفریق کی وجہ انسانی زندگی دن بہ دن غیر متوازن ہوتی جا رہی ہے۔ ہر طرف جبر و استبداد کا بازار گرم ہے۔ منافقت و ملمع سازی کا دور دورہ ہے۔ ملوکیت کے جبر و استبداد نے جمہوریت۔ فسطائیت۔ نازیت۔ قومیت کے نقابوں کی آڑ میں اپنا اقتدار وسیع کرنے کے لئے خدا کی بے بس مخلوق کا خون زیق

پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے ؎ جلال بادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

انسانی فلاح اسی میں ہے کہ اخلاق و سیاست ساتھ ساتھ رہیں۔ ذات باری تعالیٰ کے "مقتدر اعلیٰ" ہونے کا نظریۂ قرآنی اگر ایک طرف انسانی آزادی کو برقرار رکھتا ہے تو دوسری طرف

مملکت اور افراد مملکت کے اخلاق کا بھی ضامن ہے۔ دلوں میں غیبی احتساب۔ اللہ تعالیٰ کے ہر جا اور ہر وقت ہونے کا یقین انہیں نیک عمل بنا دیتا ہے جس سے مملکت اور افراد مملکت اخلاقی پابندیوں سے آزاد نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ کے مقتدر اعلیٰ ہونے کا نظریہ ان حدود کو قائم کر دیتا ہے جو ایک انسان کے دوسرے انسان کے ساتھ ہیں جس سے انسانی آبادی میں مساوات قائم ہو جاتی ہے۔ ہر انسان یہ ماننے کیلئے تیار ہو جاتا ہے کہ بلحاظ استعداد وہ دوسروں سے کم نہیں۔ اس حقیقت کے سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے بعد انسان کے مخفی جوہر ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ اللہ تعالیٰ کے مقتدر اعلیٰ ہونے کے ایقان کے نتیجہ میں مملکت اور معاشرۂ انسانی با اخلاق ہو جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ عدالت کے تادیبی قوانین ایک حد تک انسانی اعمال کی نگرانی کرتے ہیں۔ مگر صرف ان کا اثر انسان کو اخلاق کا پابند نہیں بنا سکتا ان قوانین کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ وہ اخلاق پیدا ہو سکتے ہیں جنہیں انگریزی زبان میں "بنیے کا اخلاق" کہا جاتا ہے۔ یعنی اگر کوئی دیکھتا نہ ہو۔ پکڑے جانے کا اندیشہ نہ ہو۔ قانونی شکنجہ سے بچنے کا موقع ہو تو پھر انسان بدی کر سکتا ہے۔ اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ مقتدر اعلیٰ ذات باری تعالیٰ کو مانا جائے جو حاضر و ناظر صفت علم کل سے متصف اور علیم بذات الصدور (سینوں کے بھید جاننے والا) ہے۔ اور یہ ایقان کہ کوئی دیکھ رہا ہے۔ دل کی انجان گہرائیوں میں ابھرنے والے معصیت آلود خیالات کو دبا دیتا ہے ؎

موج زندان و سلاسل رہزنی است — اوست حاکم کز چنیں ساماں غنی است

وسیع تر انسانیت

جدید مملکت کا خارجی پہلو یہ ہے کہ ایک منظم جماعت کسی مخصوص خطہ میں آباد ہو۔ اس کے بغیر اس کا تصور ناممکن ہے۔ آج سیاست کا ایک مسلمہ اصول ہے کہ جہاں تک ہو سکے مملکت اور قوم ایک دوسرے سے جدا نہ ہونے پائیں۔ نسل۔ زبان۔ رنگ اور معاشی وحدت۔ رسوم و روایات کی یکسانیت قومیت و وطنیت کا جذبہ پیدا کرنے میں مد و معاون ہوتے ہیں۔ اس کی تہ میں اصل خیال یہ ہے کہ جس جماعت میں لسانی نسلی تہذیبی یگانگت ہو اس میں سیاسی اور معاشی مفاد میں اشتراک پیدا کیا جائے۔ چنانچہ قومیت ایک نفسیاتی احساس ہے جس کا معنوی پہلو مملکت ہے جو اپنے ارادہ کو عملی جامہ پہنانے کی قوت رکھتی ہے۔ اس نئی سیاسی تنظیم میں جس سے مختلف گروہوں کی نسلی اور لسانی انفرادیت برقرار رکھی جاتی ہے معاشی تعاون عمل اور دولت میں اضافہ مقصود اصلی ہے۔ اس لئے یہ ضروری خیال کیا گیا کہ ہر مملکت قوم ہو۔ اور ہر قوم مملکت ہو۔ اسی وطنیت کے جذبہ سے معاشی مفاد کو فروغ دینے میں بڑی مدد ملی۔ ہر چھوٹی سے چھوٹی جماعت بھی قومیت یا وطنیت ہی کی بنیاد پر اپنی سیاسی تنظیم کی دعویدار ہے۔ محض قومی اقتدار معاشی قوت حاصل کرنے کا ذریعہ ٹھیرا اور معاشی قوت سے قوموں کے سیاسی اقتدار میں اضافہ ہوا۔ آج قومیت یا وطنیت کا سیاسی تصور مملکت

کی فطری بنا خیال کیا جاتا ہے۔ جدید مملکت اپنے نظام فکر کو وطنیت کے فلسفۂ اجتماعی پر مبنی قرار دیتی ہے۔ جدید سیاست میں مذہب و خدا کے انکار سے جو معنوی خلا پیدا ہو گیا تھا۔ اس کو وطنیت کے تصور سے بڑی حد تک پر کیا گیا۔ فکر انسانی نے ایک نیا بت تراشا جو پہلے بتوں سے کہیں زیادہ انسانیت سوز اور خونخوار ثابت ہوا میری قوم اور میرا وطن کے جذبہ نے اپنے اور غیر کا امتیاز پیدا کر دیا۔ اپنے مفاد پر غیروں کے فائدے کو بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس عصبیت کے نتیجہ میں نسل انسانی کی وحدت قومیت میں متفرق ہو گئی اپنے اور غیر کے امتیاز نے انسانیت کو دائمی جنگ اور فساد میں مبتلا کر دیا۔ ایک قوم دوسری قوم کی جان کی لاگو ہو گئی زندگی کے قیام کو زمین پر ناممکن بنا دیا جن نام نہاد مدبروں کو حکومت سپرد کی گئی ہے وہ ملوکیت اور استبداد کے جوش میں خونریزی اور سفاکی سے لاکھوں مظلوم انسانوں کو ہلاک کر کے اپنے مخصوص گروہ کی خواہشات کی تسکین کا سامان بہم پہنچا رہے ہیں۔ وہ کمزور قوموں پر تسلط حاصل کرنا اپنا حق اور اخلاق سمجھتے ہیں۔ اپنے قومی معاشی مفاد کے لئے انہیں تجارتی منڈیوں کی تلاش ہے۔ اس کا خیال نہیں کہ قدرتی زرخیز علاقوں کے مغلوب انسان بھوکوں مر جائیں۔ ایک وقت کی روٹی بھی چین سے نہ ملے

قرآن کریم نے ہم کو وسیع تر انسانیت کا نظریہ دیا۔ قرآن عالم بشریت کی اجتماعی زندگی میں ایک تدریجی مگر اساسی انقلاب چاہتا ہے۔ جو اس کے قومی، نسلی نقطۂ نگاہ کو یکسر بدل کر اس میں خالص انسانی ضمیر کی تخلیق کرے۔ وہ ان ساری مصنوعی حد بندیوں کو پاش پاش کر دیتا ہے۔ جو انسان کو انسان سے جدا کرتی ہیں۔ قرآن کریم کے پیش نظر وسیع انسانیت کا تصور ہے نہ کہ مخصوص محدود گروہوں کا۔ گروہ اور نسل اس لئے ہیں کہ پہچانے جا سکیں۔ وہ تمام نسل انسانی کو ایک ہی اصل قرار دیتا ہے۔

خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھا زوجھا وبث منھما رجالاً کثیراً ونساء (۴: ۱)	خدا نے تم کو ایک ہی جنس سے پیدا کیا پھر اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا ان دونوں سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو پھیلایا۔

اور ساری نسل انسانی کو ایک کنبہ اور خاندان قرار دیتا ہے۔

یا ایھا الناس انا خلقنکم من ذکر وانثی وجعلنکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقکم (۴۹: ۱۳)	اے لوگو ہم نے تمکو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمکو گروہ اور قبائل بنا دیا تاکہ تم آپس میں پہچانے جاؤ تم میں معزز وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی یہ تشریح فرمائی کہ

لیس لاحد فضل علی احد الا بدین وتقوی الناس کلکم بنو آدم وآدم من تراب۔	پرہیزگاری اور دینداری کے سوا کسی چیز کی بنا پر ایک شخص کو دوسرے پر فضیلت نہیں تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے تھے۔

اگر عالم انسانیت کا مقصد اقوام انسانی کا امن اور ان کی موجودہ اجتماعی ہیئتوں کو بدل کر ایک صالح اجتماعی نظام بنانا ہے اور

پایا جائے تو سوائے نظام اسلام کے کوئی اور اجتماعی نظام ذہن میں نہیں آسکتا۔

خلافت اور انفرادی آزادی

قرآن کریم حکومت کو تراج کی طرف لے جانا نہیں چاہتا۔ وہ تعلیم دیتا ہے کہ انسانی فطرت اجتماعی زندگی کی متقاضی ہے۔ معاشرہ قائم رہ سکتا ہے اور نہ ترقی کر سکتا ہے جب تک کہ عدل و انصاف کو نافذ کرنے والا کوئی نہ ہو۔ دین کی تکمیل اور انسانوں کے ذہنی اور اخلاقی قویٰ کی نشو و نما کیلئے مملکت کی ضرورت ہے۔ قرآن کریم نے حکومت الٰہیہ کے قیام اور قوانین الٰہیہ کے نفاذ کیلئے عوام کو ایک شخصیت کے انتخاب کا حق دیا جس کو قرآنی اصطلاح میں خلیفہ نائب کہا جاتا ہے۔ اس کے حقوق متعین ہیں اس کی حیثیت صرف عامل یا عاملہ کی ہوتی ہے جس کا کام قرآنی احکامات نافذ کر کے حکومت الٰہیہ قائم کرنا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ حق دیا کہ ان احکامات کی باہمی مشورے سے تاویل کرے۔ اگر خلیفہ اور افراد مملکت میں کوئی اختلاف ہو تو اس کو قرآن کریم اور احادیث کی روشنی میں طے کیا جائے۔

یایها الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیئ فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الآخر ذلک خیر و احسن تاویلا (۴: ۵۹)	اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور اپنے میں سے صاحبان امر کی پھر اگر کسی چیز میں باہم تنازعہ ہو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لیجاؤ اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہو۔ یہ بہتر اور اچھی تاویل ہے۔
وما اختلفتم فیہ من شیئ فحکمہ الی اللہ (۴۲: ۱۰)	اور تم کسی بات میں اختلاف کرو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف ہے۔

خلیفہ کا کام قوانین الٰہیہ کا نفاذ ہے۔ اگر وہ غلطی کرے تو افراد مملکت کو حق ہے کہ اسے متنبہ کریں اگر افراد غلطی میں ہوں تو خلیفہ کو حق ہے کہ انہیں آگاہ کرے اور صحیح راستہ پر لگائے یہی وجہ ہے کہ اسلامی مملکت کا ہر کام مشورہ پر رکھا گیا ہے۔ نفرادی آزادی اور آزادی ضمیر کا احترام کیا گیا ہے۔ کہ انسان اپنے اعلیٰ ترین اوصاف کے ذریعہ ہی سے قوانین الٰہی کی توضیح کا مجاز ہے۔ اسلامی حکومت شخصی حکومت ہے اور نہ جمہوری شخصی حکومت میں افراد مملکت ایک شخص کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں۔ مگر اسلامی خلافت کا اصول یہ ہے کہ خلیفہ کے خواہشات کی پابندی نہیں کی جاتی۔ بلکہ قانون الٰہی کی۔ اگر اس کے خلاف خلیفہ کرے تو افراد مملکت کو قرآن کریم حق دیتا ہے کہ قانون الٰہی کا پابند بنائیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جلیل القدر خلیفہ نے فرمایا۔

"لوگو! میں تمہارا امیر تو مقرر ہوا ہوں۔ حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں اگر میں درست کام کروں تو میری معاونت کرو۔ اگر میں ٹیڑھا ہو جاؤں تو مجھے درست کرو۔" (ابن سعد)

جمہوری حکومت عوام کے خواہشات کی پابند ہوتی ہے۔ اس کے خلاف نہیں کر سکتی خواہ وہ غلط راستہ پر چلیں اس کے نزدیک حق مشیت عامہ کا ہے۔ مگر قرآن کریم نے جس طرح افراد کو یہ حق دیا کہ وہ حکومت کی نگرانی کریں اصلاح

خلیفہ کو یہ حق ہے کہ افراد کو قوانین الٰہیہ کا پابند بنانے بصورت خلاف ورزی سزا دے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کے عظیم الشان مجمع میں یہ ارشاد فرمایا تھا کہ

واللّٰہ لاقاتلن من فرق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ (بخاری) (خدا میں ان سے جہاد کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کر رہے ہیں۔)

اس طرح قرآنی نظریہ مملکت میں فرد حکومت کے اور حکومت افراد کی نگران ہوتی ہے۔ اس لئے اسلامی حکومت کی اطاعت غلامی نہیں بلکہ انسان کے اعلیٰ ترین رجحانات کی اطاعت ہے۔ خلیفہ کی اطاعت اس لئے نہیں کیجاتی کہ وہ قوت و جبروت کا مالک ہے۔ بلکہ اس کی عزت اور احترام اس لئے ہے کہ وہ فطری حقوق اور الٰہی قوانین کا پاسبان ہے۔ اس طرح آدمی آدمی کا نہیں بلکہ الٰہی قوانین کا تابعدار ہو جاتا ہے جسکی وجہ سے اس کی انسانیت و شرافت کو بٹا نہیں لگتا۔

نظام عدل

مملکت کے اکثر نظریئے اس امر پر متفق ہیں کہ مملکت کے وجود کی اصلی وجہ حقوق انسانی کی حفاظت اور معاشرۂ انسانی کے حقوق میں اعتدال ہے۔ اس لئے وہی حکومت اچھی ہو سکتی ہے جو عدل و اعتدال کے اصول پر مبنی ہو۔ قرآن کریم نے اسلامی حکومت پر عدل فرض کیا اور اسکو اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت قرار دیا۔

واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل ان اللّٰہ نعما یعظکم بہ (۴: ۵۸) (اور جب لوگوں میں فیصلہ کیا کرو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو بیشک یہ بہت ہی عمدہ بات ہے جسکی تمہیں اللہ نصیحت کرتا ہے۔)

حتیٰ کہ دشمن سے بھی انصاف کرنے کی تعلیم ہے

لایجرمنکم شنان قوم علیٰ الا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ (۵: ۸) (کسی قوم کی دشمنی تم کو اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو انصاف کرو یہ تقویٰ سے قریب تر ہے)

یہ آیت اسلامی روایات رواداری کی آئینہ دار ہے۔ اسلامی رواداری تاریخ انسانی میں ہمیشہ سنہری حروف سے لکھی جائے گی۔

دستور و قانون

اسلامی مملکت کا دستور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا ہوا۔ ناقابل تغییر۔ امٹ۔ تحریری اور عالمی و دائمی ہے۔ اس لئے زماں و مکاں کی قید سے آزاد ہے۔ یہ دستور تمام انسانوں کے لئے ہے جسکی پابندی سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ دیگر مملکتوں کے قوانین ان کی حکومتیں بناتی ہیں۔ اور اس کا بہت کچھ انحصار برسر اقتدار جماعت کی رائے پر ہوتا ہے۔ یہ کام جماعت مقننہ کے سپرد ہوتا ہے۔ اکثریت کے مفاد کو پیش نظر رکھکر یہ قوانین بنائے جاتے ہیں۔ اسلامی قانون قرآن کریم ہے جس میں انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لئے قوانین موجود ہیں۔ یہ قوانین ہر زمانہ و مقام کے لئے قابل عمل ہیں — وہ فطری قوانین ہیں جنکو ہر جماعت اپنے مزاج و احوال کے مطابق برت سکتی ہے۔ چونکہ یہ عالمی حکومت ہے جس کے قیام کی مدت نامعلوم ہے۔ اس لئے اس کے قوانین زماں و مکاں کی پابندیوں سے آزاد ہیں۔ کوئی برسر اقتدار جماعت

اس میں تغیر و تبدل کرکے اپنے مفید مطلب قوانین نہیں بنا سکتی۔ یہ قانون صرف فروعی حد تک لچکدار ہے۔ یہ اجازت ہے کہ بتائے ہوئے اساسی اصول کے تحت حالات اور واقعات دیکھکر انکی تاویل کریں۔ یہ فروعی قوانین ہوسکتے ہیں جن کا بنیادی اصولوں پر قائم ہونا ضروری ہے۔

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک هم الظالمون (۵: ۴۵) } اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے اتارا ہے تو وہی ظالم ہے۔

قوانین کی ترجیہ و تاویل کے لئے شوریٰ کی ضرورت ہے جس میں متقی ہوں۔

شاورہم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ (۳: ۱۵۸) | معاملات میں انکا مشورہ لے پھر جب پختہ ارادہ کرلے تو اللہ ہی پر بھروسہ رکھ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ لاخلافۃ الا عن مشورۃ (کنز العمال) جب اقتدار کا سرچشمہ ذات باریتعالیٰ ہے تو اس سے انسانی ضمیر کی آزادی کا اصول بھی قائم رہتا ہے کہ وہ اپنے اعلیٰ ترین اوصاف کے ذریعہ سے قانون الٰہیہ کی توجیہ کا مجاز ہے اور جماعت کی ترقی کے راستے بھی مسدود نہیں ہوتے۔

مخلصین کی ضرورت | قرآن کریم نے مملکت کے ہر شعبہ کیلئے کافی تعلیم دی ہے۔ معاہدات۔ جنگ۔ معاشرہ و معاشیات کے اصول پر اکمل تعلیم ہے ہر شعبہ مستقل مضمون کا حامل ہے جس سے چند مختصراً اصول بیان کئے گئے ہیں جس سے ظاہر ہے کہ ایسی حکومت جسکی انسانیت متلاشی ہے اور جس کے بغیر انسانیت چین کی زندگی نہیں گذار سکتی وہ "قرآنی نظریہ مملکت" ہی ہو سکتا ہے۔ عالم انسانیت نے کتنے نظام سیاست دیکھے جس کے قائم کرنیوالے اسکو دائمی سمجھتے تھے۔ وہ آج کہاں ہیں؟ مٹتے جارہے ہیں مٹتے جائینگے انسان فانی۔ انسان کے بنائے ہوئے نظام آنی فانی۔ اللہ باقی۔ اسی کی حکومت۔ اسی کی سلطنت باقی رہ سکتی ہے۔ اقبال مرحوم نے محراب گل افغان کی زبانی اس حقیقت کا کیا خوب اظہار کیا ہے

کیا چرخ کجرو، کیا مہر، کیا ماہ — سب راہرو ہیں واماندہ راہ
کڑکا سکندر بجلی کی مانند — تجھ کو خبر ہے اے مرگ ناگاہ
نادر نے لوٹی دلی کی دولت — ایک ضرب شمشیر افسانہ کوتاہ
افغان باقی کہسار باقی — الحکم للہ۔ الملک للہ

ضرورت ہیکہ انسان اس حکومت الٰہیہ کے قیام کیلئے تیار ہو جائے۔ اسی کا محکوم بن جائے لیکن یہ کون کرسکتے ہیں؟ وہ جو مخلص ہوں جنکی زبان پیغمبر ہی ہو جو دلیں ہے۔ خود کیھ جانا چاہتے ہوں اور وہ اس مقصد عالی پر پہلی صف کے سپاہیوں کی طرح عالم گمنامی میں مرنا۔ اور پروانہ کیطرح آہ نہ کرنا چاہتے ہوں۔ مبارک ہیں وہ جنکے دل شہرت کے متمنی نہیں جبتک انسان کے ضمیر میں اللہ کی حکومت نہ ہو وہ خارجی طور پر اسکی حکومت قائم نہیں کرسکتا خلوص سے اٹھو تا کامیابی تمہارے قدم چومے اللہ تعالیٰ تمہارا ساتھ دے۔ اسکی زمانہ قدیم سے یہ سنت ہے کہ مخلصوں کا ساتھ دیتا ہے مخلص کا ہر کام برکت سے معمور ہوتا ہے دنیا کی کوئی طاقت اسکی خیر کو منقطع نہیں کرسکتی فقط مدیر

جس کو اس جمعیت خلافت مبشرہ یا دھرم راج سنبھالنے اپنے ہاتھ میں لیا ہے۔ دور اندیش برٹش گورنمنٹ سے ہم توقع کرتے ہیں کہ ہم امن پسند لوگ جو ہندوستان میں کام کر رہے ہیں ان کو اپنی سلطنت میں اطمینان سے کام کرنے دیگی۔ چونکہ خلافت یا دھرم راج کی بشارت حضور نظام پر چسپاں ہوتی ہے اس لحاظ سے حضور نظام کا انتہائی احتیاط ہوگا کہ وہ اس تحریک کو کسی قسم کی مدد نہ کریں کیونکہ خلیفہ یا دھرم راجہ وہی ہوگا جو خلافت یا دھرم راجہ کی آرزو نہیں کریگا کیونکہ آرزو کرنے والا وہی ہوگا جس کی نیت نیک نہ ہو۔ چنانچہ جب کبھی خلفائے راشدین سے کسی کا انتخاب ہوتا تھا تو انہوں نے اس کو بار گراں سمجھ کر ناراض ہوتے تھے یہی بات خلیفہ برحق نواب میر عثمان علیخان بہادر میں ہونی چاہئے ہم دیکھتے ہیں کہ شاہ ذیجاہ سے بھی یہی سنت پوری ہو رہی ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ جو کام اللہ کے ہاتھوں سے بنائے جانیوالا ہو اس کو دنیاوی طاقتوں کی دست درازی سے محفوظ رہنا چاہئے خلافت کا وعدہ اللہ نے کیا ہے وہی اپنے وعدہ کو پورا کریگا اس سے بڑھکر وعدہ پورا کرنیوالا کون ہے؟ اسی کی ذات [illegible] ہے وَإِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَا أَمْثَالَهُمْ تَبْدِيلًا۔

وجہ تسمیہ جمعیت خلافت مبشرہ

اس جمعیت کا نام خلافت مبشرہ اس وجہ سے رکھا گیا ہے کہ وہ نام نہاد خلافت جو یزید ابن معاویہ سے لیکر سلطان عبدالمجید خان تک چلی وہ بشارت والی خلافت نہیں تھی نہ اس خلافت کو اللہ نے خلافت کے نام سے موسوم کیا اور نہ رسول نے، وہ نام نہاد خلافت کے ظہور کے وقت اور خود نشان کے طور پر ختم ہو گئی۔ شاہ ذیجاہ کی اعلان خود مختاری اسی سال ہوتی ہے جس سال اس نام نہاد خلافت کا خاتمہ ہوتا ہے گویا حقیقت کے ظہور کے وقت مجاز کا خاتمہ ہوتا ہے یہ خلافت جو علی منہاج نبوت ہے اس کی بشارت حضور انور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے جسکا تفصیلی ذکر کتاب خلافت مبشرہ میں ہے جو قرن اولیٰ میں تیس سال تک چلی۔ وہاں بھی ہر خلیفہ کی نسبت غیر اقوام میں نبوت کیگئی تھی چنانچہ یہ واقعہ مشہور رہے کہ بیت المقدس میں جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاتحانہ حیثیت سے داخل ہوتے ہیں تو غلام اونٹ پر سوار تھا اور اسکی نکیل خلیفۃ المسلمین کے ہاتھ میں تھی بیت المقدس کے رہنے والے یہودیوں و نصاریٰ کے پاس جو مذہبی کتابوں میں یہ نبوت کیگئی تھی وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر پوری ہوئی۔ اسی طرح اقوام ہند کے پاس مختلف شاستر اور پرانوں میں لکھا ہوا ہے کہ کلیوگ سنہ ۵۰۱۱ مطابق سنہ ۱۹۱۱ء میں دھرم کلی شروع ہو، دھرم راجہ اس سنہ میں تخت نشین ہوگا اور حیدرآباد کو ہر مصیبت سے بچا لیگا اور وہ اپنے سلسلہ کا ساتواں بادشاہ ہوگا وہ ہمارا دھرم راجہ ہے الحمد اللہ مطابق ان پیشگوئیوں کے آپ سنہ ۱۹۱۱ء میں تخت نشین ہوتے ہیں اور اعلان خود مختاری کرتے ہیں اور اپنے سلسلہ کے ساتویں بادشاہ ہیں یعنی آپ آصفجاہ سابع ہیں انہیں بشارتوں کو پیش کرکے یہ جمعیت خلافت ہندوستان کے ہندو اور مسلمانوں میں شاہ ذیجاہ کو خلیفہ یا دھرم راجہ منوا رہی ہے اس وجہ سے جمعیت خلافت مبشرہ کے نام سے موسوم ہے۔

اس جمعیت کے قیام کیلئے سال حال بروز یادگار اعلان خود مختاری خانقاہ سرور عالم میں دیندار انجمن کی تحریک سے ایک عام جلسہ منعقد کیا گیا جس میں پہلے عہدہ داروں کا انتخاب ہوا اور اراکین مجلس عاملہ کا بھی قیام ہوا۔ اور بتاریخ ۸ آذر ۱۳۵۲ف عام جلسہ مجلس منتظمہ کے قیام کے لئے اور ایک جلسہ کا انعقاد ہوا جس میں معتمد اور دیگر اراکین کا انتخاب ہوا۔

غرض و غایت | جمعیت خلافت بشریہ یا دہرم راج سبھا کی تحریک کے قیام کی غرض محض ہندوستان میں امن قائم کرنا ہے۔ اس کی صورت یہ ہوگی کہ حکومت برطانیہ کی موجودگی میں رعایا ہند آزادی سے زندگی بسر کرے یعنی داخلی امور میں کسی حکومت کا کوئی دخل نہ ہو۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہندوستان میں اقتدار اعلیٰ کی موجودگی میں ہندو اور مسلمان کے انفرادی یا اجتماعی سیاست کا مسئلہ لاینحل ہوگیا ہے۔ اس کا ثبوت بیّن طور پر کانگریس کے تحلیل سے ملتا ہے کیونکہ کانگریس جو ہندو مسلم سیاست کی مسلمہ واحد نمائندہ منظم جماعت تھی وہ اپنے ان تھک اور انتہائی کوششوں کے بعد تحلیل ہوگئی اور آزادی کو مرنے پر ترجیح دیتی ہوئی گذر گئی اور یہ مانی ہوئی بات ہے کہ آزادی مانگنے سے نہیں ملتی بلکہ قوت سے حاصل کی جاتی ہے جلالی قوت آلاتِ حرب کو چاہتی ہے اور جمالی قوت قوم کے وحدت کی محتاج ہے۔ ہندوستان ان دونوں چیزوں سے محروم ہے۔ لہذا یہ مقدر ہوا کہ غیر ملکی اقتدار اعلیٰ کی موجودگی میں دائمی غلامی کا جوا اپنے گردن پر رکھے یا تباہ و برباد ہو جائے۔

اس مسئلہ لاینحل کو جمعیت خلافت بشریہ نے بڑی خوبی سے حل کیا ہے۔ یہ جمعیت حکومت برطانیہ کو اور ہندوستان کی ہر قوم کو یقین دلاتی ہے کہ اس لاینحل مسئلہ سیاست کا حل ہمارے تجویز کردہ نسخہ میں ہے اور یہ بھی یقین دلاتی ہے کہ اسکی کسی خوراک میں کوئی دقت اور بدمزگی کا کوئی شائبہ بھی نہیں ہے ہماری تحریک کے کامیابی سے اول مخلوق خدا کو یہ فائدہ ہوگا کہ ہندوستان میں حاکم اور محکوم کی لطیف سے لطیف احساسات اور مفاد کے نقصان رسی کے اندیشوں کی وجہ سے جانوں اور مالوں اور کارخانوں اور کاروبار میں جو دو طرفہ نقصان ہو رہا ہے وہ یک لخت بند ہو جائیگا۔ ہندوستان کے مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک ایک اطمینان کی روح دوڑ جائیگی اس کے دوسرے نمبر میں یہ فائدہ ہوگا مستقل طور پر ہندوستان میں برطانیہ کے صدیوں جان توڑ کوششوں سے قائم کردہ نظم و نسق رفاہ عام کا انتظام علیٰ حالہٖ باقی رہ سکیگا اور ہندوستان کے باشندے بلا مداخلت غیرے داخلی پالیسی میں مختار کل رہ کر برطانیہ کی دوستی میں آزاد زندگی بسر کرتے رہیں گے۔ اور برطانیہ ہندوستان کے خارجی امور میں واحد مالک بنکر ہندوستان سے ہر طرح فائدہ اٹھائے گا۔ اور ہندوستان کو ہڑپ کرنے کیلئے جو درندے زمانہ دراز سے تکتے بیٹھے ہیں بوقت مقابلہ ہر ہندوستانی اپنے ملک کی مدافعت میں برطانیہ کا زور بازو بنکر میدان میں کود پڑیگا خلیفہ یا دہرم راجہ کی یہ وہ قیادت ہے جس کو حضور نظام کے دوست ملک معظم جارج پنجم نے ۲۴ رجنوری ۱۹۱۸ء میں خود اپنے قلم سے ہمارے شاہ ذی جاہ کو اس منصب کی بشارت دیتے ہوئے یہ الفاظ لکھے تھے۔

”حضور نظام ہندوستان میں سب کی قیادت کرنیوالے اسلامی والی ریاست کی حیثیت سے لطف اندوز ہیں
اکثر دفعات دونوں ریاستوں کی رعایا جب کبھی کسی حاکم سے شاکی رہی تو یہ دونوں حکومتوں نے آپس میں تبادل ہو کر مخلوق خدا کی خدمت کیں اس طرح یہ پالیسی بڑی کامیاب رہی۔ اور یہ پالیسی آئندہ بھی کامیاب رہیگی۔

موجودہ جنگ اور فریضۂ حج

از مولوی محمد عبدالغفار صاحب مبلغ اسلام

ہر اسلامی فرض اپنے اندر بے شمار برکتیں رکھتا ہے جس سے انسان اپنی زندگی کے ہر پہلو میں رہنمائی حاصل کر سکتا ہے۔ حج ہر سال آتا ہے اور بصیرت انسانی کو دعوت فکر وغور دیتا ہے۔ لیکن ناشکر انسان اس سے سبق حاصل نہیں کرتا۔ شاید ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ کتنے ایسے انسان ہیں جو فریضۂ حج کی ادائی کی نعمت سے متمتع ہوتے ہیں۔ مگر اس کی حقیقت سے غافل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حج کرنے کے باوجود ان کی زندگی اس رنگ میں رنگین نظر نہیں آتی جو فریضۂ حج کا مقصود اصلی ہے۔ اسلامی فرائض صرف مجاز نہیں۔ بلکہ مجاز سے بڑھ کر کہیں زیادہ اپنے اندر حقیقت رکھتے ہیں۔ کاش دنیا ان حقائق سے واقف ہوتی تو انسان کی موجودہ ناگفتہ بہ حالت نہ ہوتی جبکہ معصوم انسانیت کہیں خون کے آنسو نہ بہاتی۔ نہ انسان۔ انسان نہ رہا۔ انسانیت کے اعلیٰ و بلند مقام سے گر کر حیوانیت پر اتر آیا۔ وہ بہ لحاظ جامعیت وہ درندگی دکھا رہا ہے کہ درندے بھی ششدر رہ جائیں۔

اس سال حج آیا۔ اس وقت آیا جب کہ ملوکیت نیز جبر و استبداد کی آگ انسانوں کے دلوں میں بھڑکی۔ اور دنیا کی ایک سمت سے دوسری سمت کو پہنچ گئی۔ اس کی دن بدن بڑھنے والی چنگاریاں خرمن امن کو آگ لگا رہی ہیں۔ انسان نہ خود ہی جل رہا ہے بلکہ اپنی نظر کے آگے اپنے جگر گوشوں کو تڑپتے اور بلبلاتے دیکھ کر موت کے پیالے کے گھونٹ نہایت ہی درد و کرب کے ساتھ اتار رہا ہے کتنے مظلوم انسان ہیں جنکو جنگ کی آگ کھائی جا رہی ہے۔ اور ظالم اپنی فرزندگی اور آتشزدگی پر اترا رہا ہے۔ اور ظلم کے افسانے اپنی محفلوں میں فخر کے ساتھ سنا رہا ہے۔ کتنے بیگناہ انسان ہیں جن کے خون کے قطرات ظالم کے چنگال سے ٹپک رہے ہیں۔ شاید وہ خون کی سرخی کو ہاتھ کی مہندی سمجھ کر شادیانے بجا رہا ہو۔ ایسے موقعہ پر حج انسان کو ذلیل حیوانیت سے نکل کر انسانیت کے بلند مقام پر آنے کی دعوت دے رہا ہے ــ موجودہ جنگ کی آگ انسان کے لئے تازیانۂ بیداری ہے۔ کہ ہم اپنے مستقبل پر غور کریں اور بحیثیت انسان نہ صرف اس کے نتائج و عواقب پر نظر ڈالیں بلکہ عمل کے لئے تیار ہو جائیں۔ کیونکہ قوم کی قسمت افراد قوم کے ہاتھ ہوتی ہے۔ وقت کا اہم سوال ہے کہ کیا ہم اس سیلاب انقلاب میں خس و خاشاک کی طرح بہہ جانے کے لئے تیار ہیں یا "مرد مومن" کی طرح اس سے متاثر نہ ہوں گے۔ بلکہ موثر ہوں گے۔ بصورت اول ہمارے لئے مقام غور نہیں۔ مگر بصورت دیگر ہمیں وہ "نگاہ مرد مومن" کی ضرورت ہے جو زمانہ کی تقدیر کو بدل دے اور اس "نور بصیرت" کی حاجت ہے جو ہم کو مستقبل سے صحیح طور پر آگاہ کر سکے۔

عواقب جنگ ہم کو سب سے پہلے یہ غور کرنا ہے کہ یہ جنگ کیوں چھڑی؟ اس کے کیا وجوہات ہیں اور اس کا ذمہ دار کون ہے تو ہم نہایت ہی آسانی کے ساتھ مستقبل اور عمل کا تعین کر سکتے ہیں۔

اگر نہایت گہری نظر سے جنگ کا مطالعہ کیا جائے۔ تو صاف اور کھلی بات یہ ہے کہ جنگ کی تمام تر ذمہ داری "تہذیب یورپ" پر ہے جس کی بنیاد مادیت اور لادینی نظریات پر رکھی گئی۔ پندرھویں صدی عیسوی تک عیسائیت کا تسلط یورپ پر رہا۔ اقوام یورپ بجائے ترقی تنزل ہی کی طرف بڑھتی گئیں۔ تب دانایان مغرب کو ترقی کی سوجھی انہوں نے فلسفۂ حیات کی تلاش کی۔ اور اس کے اصولوں کو عیسائیت میں ڈھونڈا مگر وہ وہاں نہ تھے۔ اس لئے وہ پہلے عیسائیت سے بعد آزاں مذہب ہی سے بیزار ہوگئے کیونکہ عیسائیت کے حامی ابتداءً ان اصولوں کے سخت مخالف رہے۔ اور مذہب پرستوں نے جدید تحقیقات کرنے والوں کو سخت نقصان پہونچایا حتیٰ کہ انہیں جان تک دینی پڑی جدید تحقیقات دن بدن مادی و غیر روحانی ہوتے گئے۔ کیونکہ حامیان مذہب کی مخالفت نے تحقیقات کرنے والوں کو اس غلط فہمی میں مبتلا کر دیا کہ مذہب ترقی کے راستے میں روک اور تحقیقات جدید کا مخالف ہے۔ انہوں نے ایک جدید نظریہ مملکت قائم کیا جو نہ صرف مذہب بلکہ اخلاقی بندھنوں سے بھی خود کو آزاد تصور کرتا ہے۔ درحقیقت مذہب و سیاست کی جدائی اس وقت ہوئی جب کہ قیصــــر اور خدا کے حقوق الگ الگ پورا کرنے کی دعوت دیگئی۔ نشاۃ الثانیہ تک باوجود مملکت اور کلیسا کی جدائی کے یورپ میں عالمگیر سلطنت کا تصور کسی نہ کسی شکل میں باقی رہا۔ لیکن لوتھر کی تحریک اصلاح مذہبی کے بعد مختلف قومی گروہوں نے قیصریت و پاپائیت کے جوئے کو اتار پھینکا اور جدید مملکتوں نے جنم لیا۔ مملکت کے اس نظریہ کا سب سے پہلا علمبردار میکیاولی ہے جس نے سیاست کو مذہب و اخلاق سے جدا رکھنے کی تعلیم دی۔ اس نظریہ کے بعد یورپ کے اہل علم ایسے امور کی دریافت کرنے لگے جو مملکت کو قوی اور اس کی جنگی قوت میں اضافہ کرنے والے تھے۔ اور جدید مملکت میں جس چیز کو اہم خصوصیت حاصل رہی وہ وطنیت ہے جس کے تخیل سے مملکت نے تقویت حاصل کی۔ کیونکہ جب مذہب کا دامن ہاتھ سے چھوٹا تو ضروری تھا کہ زندگی کا کوئی دوسرا نقطۂ نظر اس کی جگہ لیتا۔ وطنیت کا تصور اظہار سیاست کے ذریعہ اٹھارویں صدی عیسوی کے درمیان شروع ہوا۔ اور انقلاب فرانس نے اس کو اور زیادہ قوی کر دیا۔ آج یہی نظریہ الحاد دین و ایمان ہے۔ اسی نظریہ نے انسانیت کی اجتماعیت میں افتراق پیدا کیا۔ اور قومی طاقت کے نتیجہ میں تمام عالم انسانیت فساد کا مسکن بن گیا۔ ہر قوم نے اپنی بقا اور سیاسی برتری و اقتدار کے لئے عسکریت پیدا کی اور دن بہ دن قوت حربی میں اضافہ کیا۔ بم۔ گیاس۔ طیارے وغیرہ بنائے گئے جنہوں نے صرف ایک دن میں سینکڑوں۔ ہزاروں انسانوں کا بے دردی سے خون کیا۔ اور وہ انسان جس کا ایک قطرۂ خون ساری کائنات سے زیادہ قیمتی ہے آج ایک ادنیٰ زمین پر بے قیمت بہایا جا رہا ہے۔ یورپ مذہب کو چھوڑ کر ترقی حاصل کرنا چاہا لیکن اس کی ترقی درحقیقت پستی کا باعث ہوئی۔ اس نے دہریت ہی کو تمدن و تہذیب سمجھا۔ مگر اس سورج کی روشنی میں جہاں اچھے اور برے کا آسانی سے امتیاز ہو سکتا ہے۔ تہذیب و تمدن کے غرور نے جن بد تہذیبیوں کا اظہار کیا وہ کسی سے بھی پوشیدہ نہیں۔ اقبال مرحوم نے سچ کہا ؎

یورپ میں بہت روشنیٔ علم و ہنر ہے — حق یہ ہے کہ بے چشمۂ حیواں ہے یہ ظلمات
یہ علم یہ حکمت یہ تدبر یہ حکومت — پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات

مشرق میں کیوں جنگ ہوئی

چونکہ مشرق مغرب کا محکوم ہے۔ اس لئے [illegible] حکومت کا [illegible] یہاں [illegible] پھیل گیا فلسفہ تاریخ کا یہ مسلّم اصول ہے کہ فاتح قوم کے خیالات مفتوح [illegible] پر چھا جاتے ہیں جب ایک عقلمند قوم کسی دوسری قوم پر تسلط حاصل کرتی ہے تو وہ خوب سمجھتی ہے کہ محض فوجی تسلط [illegible] دیر تک قائم نہیں کیا جا سکتا اس لئے وہ کوشش کرتی ہے کہ نونہالان قوم کے دل و دماغ سے ان کے شاندار قومی روایات اور تہذیب و تمدن کے اثرات مٹا دے تاکہ وہ عزت و شرف اور جاہ و جلال کے تمام مراتب میں کسی کو اپنے آقا [illegible] ہم پلہ نہیں [illegible] اخلاق و عادات شرف اور اصول تمدن و معاشرت کو اپنی زندگی کا جزو بنانے لگ جائیں۔ اصل محکومی ذہنی محکومی ہے۔ ورنہ سیاسی شوکت کا عروج و زوال تاریخ انسانی کا کوئی نادر واقعہ نہیں۔ ظاہر ہے کہ جب دو قوموں میں جنگ ہوگی ایک لازماً شکست کھائیگی لیکن اگر شکست خوردہ قوم اپنے قلب و دماغ میں آزادی کی پرورش کر رہی ہو تو وہ جلد ماحول پر قابو پا لیتی ہے۔ محکومی کا اصل دور اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب ایک شکست خوردہ قوم ذہنی غلامی کا جوا اپنی گردن میں ڈال لیتی ہے۔ تو پھر فوجی تسلط کے بغیر بھی غالب قوم کی غلامی سے آزاد نہیں ہو سکتی بلکہ اس غلامی میں لذت محسوس کرتی ہے۔ اور جس طرح ایک چیتے کا بچہ جو شروع ہی سے بڑی محنت سے سدھایا گیا ہو بڑا ہو کر بھی اپنی شیری کا اظہار نہیں کر سکتا۔ باوجود [illegible] اس کو کوئی ہتھیار [illegible] کتے کی طرح مالک کی فرمانبرداری کرتا اور اس میں لذت محسوس کرتا ہے۔ اسی طرح جب کسی قوم کو ایک خاص تعلیمی سحر [illegible] گرفتار کر لیا جائے تو باوجود فوجی تسلط ختم ہونے کے۔ پھر بھی وہ اس محکومی میں عزت و شرف محسوس کرتی ہے اور اس قید و بند سے آزاد ہونا نہیں چاہتی ؎

جادوئے محمود کی تاثیر سے چشم ایاز — دیکھتی ہے حلقۂ گردن میں ساز دلبری

موجودہ زمانہ کی اقوام غالب نے اس سحر کو آزادی سے استعمال کیا [illegible] ہندوستان کی آزادی کا [illegible] دعویٰ کرنے والے بھی اس ذہنی غلامی کے شکار ہیں۔ مغربیت کی اس رو میں مشرقی نوجوان اس طرح بے تحاشا بہہ رہا ہے کہ اسے اپنی ذات کا شعور تک باقی نہ رہا۔ وہ اپنے ماضی سے شرمسار ہے۔ اس کے نزدیک تہذیب کا مرکز لندن، برلن، ماسکو یا پیرس ہے۔ انکا ”قبلۂ توجہ“ یہی مقامات ہیں جہاں سے ظاہر ہونے والے ہر خیال پر وہ سب سے پہلے [illegible] کی طرح ایمان لاتا ہے۔ اس کے نزدیک [illegible] میں صحت کا معیار وہ ہے جو مغربی تہذیب نے پیدا کیا۔ دہریت و الحاد ذہنی غلامی کی وجہ مشرق میں عام ہو گیا۔ اس لئے شاعر مشرق یہ کہنے پر مجبور ہوا ؎

خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے مگر — لب خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ
ہم سمجھتے تھے کہ لائیگی فراغت تعلیم — کیا خبر تھی کہ چلا آئیگا الحاد بھی ساتھ

گھر میں پرویز کے شیریں تو ہوئی جلوہ نما ر لیکے آئی ہے مگر تیشۂ فرہاد بھی ساتھ

جب مشرق، مغربی لادینی سیاست کی تقلید کرنے لگا تو لازمی تھا کہ وہ بھی اس جنگ سے متاثر ہو۔ یہی ایک وجہ ہے کہ مشرق بھی جنگ سے دوچار ہو گیا۔ یہ مشرق کا اپنا قصور ہے ؎

یورپ کی غلامی پہ رضامند ہوا تو مجھ کو تو گلہ تجھ سے ہے یورپ سے نہیں ہے

جنگ کا ذمہ دار کوئی ہو مگر یہ لادینی نظریات و اعمال کا نتیجہ ہے یقیناً وہ ننگ انسانیت ہے جو امن کو برباد کرتا۔ اور نہ صرف انسانوں کو غلام بناتا بلکہ ان کی آبادیوں کو فنا کر دیتا ہے لیکن کیا کوئی اس سے انکار کر سکتا ہے کہ ع شامت اعمال ما صورت نادر گرفت

دہریت و مادیت نے ہمارے قلوب میں مال اور اقتدار و تسلط کی ہوس پیدا کیا۔ جس کے نتیجہ میں قدرت نے بطور سزا باہم جنگ و فساد میں مبتلا کر دیا۔

حکمت جنگ مگر قدرت کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ ہمارے اعمال کے نتیجہ میں ہم پر جنگ کا عاید کرنا درحقیقت ہماری ترقی کے لئے ہے ؎

کرتی ہے ملوکیت آثار جنوں پیدا اللہ کے نشتر ہیں تیمور ہو یا چنگیز

حقیقت یہ ہے کہ جنگ انسانوں کے لئے ایک بہتر نظام کی بشارت دے رہی ہے۔ یہ تمام پریشانیاں آستانۂ خداوندی کو چھوڑنے سے لاحق ہوئی تھیں لیکن موجودہ جنگ نے پھر انسانوں کو خدا کی طرف متوجہ کر دیا۔ یہی وہ حکمت جنگ جس کا اظہار قرآن کریم نے ان الفاظ میں کیا۔

ولولا دفع اللّٰہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع وبیع وصلوات ومسٰجد یذکر فیھا اسم اللّٰہ کثیرا ولینصرن اللّٰہ من ینصرہٗ (۲۲ : ۴۰)	اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ نہ ہٹا دیتا تو یقیناً راہبوں کی کوٹھریاں و گرجے اور عبادت گاہیں اور مسجدیں جنمیں اللہ کا نام بہت لیا جاتا ہے گرا دی جاتیں اور اللہ ضرور اسکی مدد کریگا جو اس کی مدد کرتا ہے۔

کیا آج اس دہریت کی دنیا میں جس کو یورپ کہتے ہیں پھر خدا کا نام نہیں لیا جا رہا ہے۔ جہاں خدا اور مذہب کا نام لینے والے "مذہبی دیوانے" کہلاتے ہیں۔ خدا کا ذکر تو ایک طرف رہا۔ ان کی مجلس میں خدا کا نام شاید ہی آتا ہے بلکہ وہ دوسروں سے بھی خدا کا نام سننا گوارا نہیں کرتے۔ وہ کلیسائیں اور گرجائیں جو چند دن بیشتر ویرانوں اور غیر آباد مقاموں کا حکم رکھتی تھیں آج آباد نظر آ رہی ہیں۔ آج طاقتور سے طاقتور انسان بھی اپنے سے بالاتر خدا کو محسوس کر رہا ہے کیا چیمبرلین نے نہیں کہا تھا کہ "خدا تمہاری حفاظت کرے۔ حق کی حمایت کرے" کیا ملک معظم نے یہ نہیں کہا کہ "ہم نہایت تقدیس کے ساتھ اپنے معاملہ کو خدا کے سپرد کرتے ہیں" وہ ملک جہاں کے مشہور انسان

نطشے نے چھوٹے منہ سے یہ بڑی بات کہی تھی کہ "خدا مر گیا اور فوق البشر زندہ ہے" آج اسی ملک کا آمر ہٹلر بار بار خدا کا نام لیتا ہے کیا نہیں کہا؟ "ہماری خواہش ہے کہ جسطرح خداوند قدوس نے ہمارے ہتھیاروں میں برکت دی ہے ۔ اسی طرح وہ دوسری اقوام کی آنکھوں کو روشن کر دے" اس کے علاوہ یورپ کے طول و عرض میں بھی مساجد نے گڑگڑا کر دعائیں کیں۔ جو بڑا عیسائیوں کی عالیشان عبادتگاہیں کھنڈر بن چکی تھیں۔ اور بے چارہ ان کی نماہائی پر دو آنسو بہانے والا بھی کوئی پیش نہ آ سکتا تھا اور جس حکومت کی بنیاد ہی لامذہبیت ہے جنگ کی مصیبت کے بعد اس کی گرجائیں پھر سے بھری نظر آنے لگیں۔ غرض دہریت کی دنیا اس زمانہ کی مصیبتوں کے زمانہ میں اپنے بتوں کے ظلم سے تنگ آ کر خدا کو یاد کر رہی ہے اور اس کا یہ عمل پتہ دے رہا ہے کہ دنیا ایک بہتر نظام کی طرف جا رہی ہے۔

بہتر نظام کس طرح پیدا ہوگا

لیکن غور طلب بات تو یہ ہے کہ بہتر نظام کس طرح پیدا ہوگا۔ اور کون پیدا کریگا؟ مادہ پرست دہریہ خیالات مادہ ہی کی طرف جاتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ مختلف قوموں کی کانفرنس ایک صلح اور اخوت و باہم محبت کا ایک نیا نظام بنانے میں کامیاب ہو جائے گی جو عدل اور انصاف پر مبنی ہوگا جس میں ظلم و استبداد کی کوئی گنجائش نہ ہوگی۔ مگر یہ محض خواب و خیال ہے۔ قوموں کے نمائندے ان ہی قوموں میں سے ہوں گے۔ اور ان ہی قوموں کی یہ ذہنیت ان کے اندر بھی ہوگی کہ ہر ایک قوم اپنے اقتدار کو بڑھانے کے لئے دوسری قوم کو مٹائے یا کمزور کرے۔ ایک فریق کے جنگ میں غالب آ جانے سے اور دوسرے کے کلی طور پر مغلوب ہو جانے سے حالات بہت کچھ بدل سکتے ہیں۔ مگر یہ ذہنیت نہ بدلے گی۔ کیا فاتح اقوام جو مفتوح اقوام کے ہاتھ سے اپنے خوشنما شہروں کو کھنڈر بنا ہوا دیکھیں گی۔ اور اپنے باشندوں کی ہلاکت اور اپنے بچوں کی بربادی سے ان کے سینے کھول رہے ہونگے کیا فتح کے ساتھ ان کی یہ ذہنیت ہو جائے گی کہ اب ہم ان کو محض بھائی سمجھ کر ان کے ساتھ محبت کی بنیاد پر ایک نظام قائم کریں۔ یا وہ ان کی قوت کو کلی طور پر توڑنے کی کوشش کریں گے کہ وہ دوبارہ سر اٹھا کر دنیا کے امن کو خلل میں نہ ڈالیں۔ ظاہر ہے کہ ان اقوام کے ایک حصہ کے فتح کے ساتھ نقصانات کے انتقام لینے کا جذبہ جو مفتوحین کے ہاتھ سے پہنچ چکے ہوں گے۔ ایک آگ کی طرح سینے میں مشتعل ہوگا۔ اور مفتوحین کے سینوں میں اس انتقام کی چنگاریاں سلگ رہی ہوں گی کہ پھر وہ کب اپنے فاتحین سے شکست کا بدلہ لیں۔

(باقی آئندہ)

محل کے ہر گلی کوچہ میں تقسیم کی جاتی ہے مگر اس کو ممنوع الداخلہ نہیں قرار دیا جاتا اور نہ ہمارے مولوی صاحبان اس طرف کچھ توجہ کرتے ہیں۔ انھیں تو ٹخنوں کے نیچے پاجامہ پہنے اور ننگے سر نماز پڑھنے والوں کو کافر بنانے سے فرصت ہی کہاں ہے۔ ہاں جو جدید تعلیم یافتہ ہیں ان میں سے اگرچند لوگ دنیا پر لات مار کے اگر کچھ خدمت دین کا بیڑا اٹھاتے بھی ہیں تو ہمارے سیاسی لیڈر اپنے مفاد کی خاطر ان کا بھی گلا گھونٹ دیتے ہیں چنانچہ صرف اس بات کی ترمیم کے متعلق غازی محمود دھرم پال بی۔اے اور جناب خواجہ حسن نظامی صاحب نے بہت کوششیں کیں اور جب ان کی کوششیں کامیاب ہونے کو آئیں تو مشہور سیاسی لیڈر محمد علی صاحب مرحوم نے پہلے تو ان کا ساتھ دیا مگر بالآخر ان کے سارے کوششوں پر پانی پھیر دیا کیونکہ وہ ان دنوں مسٹر گاندھی کے لنگوٹی یار تھے۔ مگر فداہ ابی و امی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شر کے تمام نشانات ہمارے سامنے کھول کر رکھدئے چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا یَخْرُجُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ قَوْمٌ كَانَ هٰذَا مِنْهُمْ يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ

(بقیہ حاشیہ) جنھوں نے سوامی جی کی حسب خواہش جلسہ کا انتظام کیا اور جب رشی دیانند کو اسی جگہ زہر دی گئی۔ اس وقت یہی شخص تھے جنھوں نے تحریک کی کہ اگر اجازت ہو تو ہندو باپو کو قید کرا دیا جائے جب مہرشی ۱۸۷۴ء میں بنارس پرچار کرنے گئے۔ سید احمد خاں وہاں کے سب جج تھے اور سوامی جی کے لکچروں کا اہتمام سید صاحب کے مکان پر ہی کیا گیا اور یہ ان ہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ باوجود اس کے کہ رشی نے اپنی کھنڈن کی پالیسی بدستور جاری رکھا تھا۔ اس دفعہ پرچار میں ان کو کسی قسم کی دقت پیش نہیں آئی جب اس کے چار سال بعد دیانند جی علی گڈھ گئے اس وقت سید احمد خاں بھی وہاں تھے اور انھوں نے سوامی جی کی تشریف آوری پر ایک بھاری جلسہ کیا جس میں ہر مذہب کے لایق آدمیوں کو مدعو کیا جب رشی لاہور میں تشریف لائے تو ان کے پہلے لکچر برہمو سماج میں کرائے گئے لیکن جب برہم دھرم کے پیروؤں نے دیکھا کہ وہ یا تو ویدوں کی تعریف کرتے ہیں اور ویدوں کو الہامی مانتے ہیں۔ انکو برہم سماج میں اپدیش دینے سے روکدیا گیا۔ سوامی جی رتن چند کے باغ میں ٹھہرے ہوئے تھے اور یہاں ہندو پنڈتوں نے کوشش کرکے انھیں اتحاد یا اس حالت میں جب مہرشی کے پاس کوئی ٹھیرنے کا مکان نہ تھا اور نہ کوئی پرچار کے لئے جگہ تھی تو ڈاکٹر رحیم خان صاحب نے اپنی کوٹھی جو انارکلی میں واقع تھی باوجود اس علم کے کہ سوامی اسلام کا بھی کھنڈن کرتے ہیں ان کے حوالہ کردی۔ اس کوٹھی میں آریہ سماج لاہور کی بنیاد رکھی گئی سب سے بڑا اور مشہور مباحثہ چاندا پوری میں ہوا۔ اسلام کی طرف سے مولوی محمد قاسم جو دیوبند کے پرنسپل اور عربی زبان کے بڑے فاضل تھے شامل جلسہ ہوئے۔ مباحثہ لگاتار ۹ گھنٹے تک ہوتا رہا جب ہم اس امن و امان اور

يَمْرُقُونَ مِنَ الْإِسْلَامِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ سِيمَاهُمُ التَّحْلِيقُ حَتّٰى يَخْرُجَ آخِرُهُمْ مَعَ الدَّجَّالِ فَإِذَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاقْتُلُوهُمْ (نسائی، ابو داؤد، کتاب الفتن) ترجمہ :۔ آخری زمانہ میں ایک قوم نکلے گی یہ شخص انہیں میں سے ہے یعنی صورت اور سیرت میں ان کے مشابہ ہے اور وہ لوگ قرآن کو بھی پڑھیں گے مگر قرآن کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ اور وہ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر کمان سے نکل جاتی ہے انکی نشانی سر منڈانا ہے اور پھر بعد میں انہیں کی طرح لوگ دجال کے ساتھ نکلیں گے پس جب تم ان کو پاؤ تو قتل کر دو۔ اس حدیث میں علماء سو کی نشانی سر منڈے داڑھی والے بتلائی گئی ہے یہ لوگ ہزاروں دفعہ اس حدیث کا مطالعہ کرتے ہوں گے مگر انہیں سر میں بال رکھنے کی توفیق ہی نہیں ہوتی کیونکہ یہ بطور پیشین گوئی کے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلا ہے اگر یہ لوگ سر میں بال رکھے ہوتے تو پیشین گوئی ان کی ظاہری صورت میں کس طرح پوری ہوتی حدیث مذکورہ بالا میں جیسا کہ آیا ہے کہ وہ سر منڈا گھنی داڑھی والا جو کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا

(بسلسلہ صفحہ ۱۲) بردباری کا جس کے ساتھ سب اہل جلسہ آپس میں ملتے تھے کاشی کے مباحثہ (جو ہندوؤں سے ہوا تھا) کے دنگہ فساد کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں تو ہم کو ٹھیک معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے سلوک میں کتنا زمین و آسمان کا فرق ہے کئی دفعہ اپدیش دیتے ہوئے دیانند جی سخت الفاظ بھی استعمال کر دیا کرتے تھے مگر جہاں سناتن پنڈت اس کا جواب اینٹ اور پتھر سے دیتے تھے وہاں اہل اسلام دیانند کی عظمت کو محسوس کرتے ہوئے کبھی برا نہیں مانتے تھے کئی دفعہ ایسا ہوا کہ سوامی جی مسلمان دوستوں کے مکان پر ٹھیرے ہوئے بھی اسلام کی تردید کرتے تھے مگر کبھی کسی مسلمان نے ان کی ہتک نہیں کیا" (اخبار پرکاش لاہور) چنانچہ دیانند لکھتا ہے "خدا نے یہ سب باتیں شیطان سے سیکھی ہوں گی ..... بھلا یہ بہشت ہے یا طوائف خانہ ... مسلمانوں کا خدا شعبدہ بازوں کی طرح کھیل رہا ہے .... خدا بڑا شیطان .... یہ قرآن خدا کا بنایا ہوا نہیں کسی مکار فریبی کا بنایا ہوا ہوگا۔ محمد صاحب بڑے شہوت پرست تھے (ستیارتھ پرکاش) اس گندی کتاب کا ہم عنقریب جواب شائع کریں گے جس سے انکا کلیجہ کا قلعہ جب چکنا چور ہو جائیگا تو انہیں معلوم ہو جائیگا کہ انہوں نے بے فائدہ ہمارے فولادی قلعہ پر پتھر پھینکے۔

ب ۔ لیکن ہماری انجمن سے ایک مختصری کتاب شائع ہوئی جس میں کسی رشی منی کی مذمت نہیں لکھی تھی بلکہ تعریف سے بھری ہوئی تھی ممنوع قرار دیگئی وجہ یہ ہے کہ اسمیں گوشت خوری کا ذکر تھا۔

ت ۔ چنانچہ اس مضمون کی ابو داؤد میں حدیث آتی ہے کہ ایک شخص (كَثُّ اللِّحْيَةِ وَمَحْلُوق) گھنی داڑھی والا سر منڈا حضور کے فیصلہ کرنے کے بعد کہا کہ آپ انصاف کیجئے یعنی آپ کی اطاعت نہیں کیا۔ اسپر حضرت خالد نے حضور سے کہا کہ اگر اجازت دیں تو میں اسکی گردن اڑا دوں مگر رحم مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا۔

رُوئداد ماہانہ جمعیت خلافت مبشرہ

از فقیر محمد عثمان ندوی رکن جمعیت خلافت مبشرہ

گذشتہ اشاعت میں معلوم کرایا گیا ہے کہ بیالیس مبلغین خلافت مبشرہ اپنے مرکز سے نکل چکے ہیں اور ابھی سرکار عالی کے علاقہ میں، راستہ ہی میں ہیں یوپی کا وفد دہلی پہنچ۔ پاسبان پنجاب کے وفد میں ابوالنجا محمد شفیع صاحب اور ابوالعرفان فاضل اجل مولنا عبد القادر صاحب صوفی پنجاب میں کام کر رہے ہیں اور جلال الامت مولوی قاسم علیصاحب اور مولوی عبد الغنی صاحب سی پی پہنچ گئے ہیں۔ مختار عام میر حسن صاحب مجلہ کے دورہ پر ہیں عبد الشکور صاحب لال فوج اور عاشق رسول عبد الرزاق صاحب غیور ات عبد الحمید صاحب علاقہ میسور ضلع کولار میں کام کر رہے ہیں۔ ابو الرضا مولوی قاضی غیاض علیصاحب بی آ اور ڈاکٹر عمر خانصاحب برار علاقہ میں کام کر رہے ہیں صوفی شہ میاں اور مولوی طاہر اللہ صاحب سی پی میں کام کر رہے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ بالکل قریب میں سرکار عالی کے علاقہ سے مبلغین روانہ ہو جائیں گے اور حسب الحکم صدر مطابق ہدایت کردہ طریقہ کا عمل کریں گے جسکا انتظار ہے۔ سرکار عالی کے علاقہ گلبرگہ میں مولوی ذو الفقار علیصاحب درس قرآن کے لئے پہنچ گئے ہیں اور مولوی حسمت خانصاحب تعلقہ لوہارہ میں درس قرآن کریم دے رہے ہیں۔

آزادیٔ ہند کا ضامن ہندو مسلم اتحاد ہے

حقیقی ہندو مسلم اتحاد کا فارمولا کتاب

خلافت مبشرہ

مصنفہ حضرت مولانا صدیق دیندار چن بسویشور صاحب قبلہ سے آپ معلوم فرما سکتے ہیں

سیاسی جماعتوں کے مختلف مقاصد نے

آزادیٔ ہند میں مشکلات پیدا کردیں!

ہر سیاسی جماعت کے مقاصد کے حصول کا متحدہ مرکز دریافت کرنا انسانی غرض ہو تو یہ آپکو کتاب

پیام خلافت

مصنفہ حضرت مولانا صدیق دیندار چن بسویشور صاحب قبلہ سے معلوم ہوگا!!!

یہ دو کتب صرف (۱عنا) روانہ کرنے پر صدر مرکز جمعیت خلافت مبشرہ آصف نگر حیدرآباد دکن سے دستیاب ہو سکتی ہیں۔

المشتہر مختار عام ابو الخیر میر حسن

تصانیف مولانا صدیق دیندار چن بسویشور صاحب قبلہ

قواعد حرب مسلمانوں میں عسکری تنظیم و یکرنگی و ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے یہ رسالہ لکھا گیا ہے اس میں وہ تمام قواعد اور اوامر موجود ہیں جنکا ایک سپاہی کو جاننا ضروری ہے۔ یہ رسالہ پانچ حصوں پر مشتمل ہے۔ (۱) اوامر صف بندی میں (۲) اوامر حرکت میں (۳) بندوق کے استعمال میں (۴) سنگین یا تلوار کے استعمال میں (۵) میدان جنگ کے اشاروں میں۔ قیمت ار

معیار خلافت جس میں خلیفۂ بشر کے معیارات بیان کئے گئے ہیں۔ اور یہ کتاب خلافت بشرہ مصنفہ حضرت مولانا صدیق دیندار چن بسویشور صاحب قبلہ کا ایک حصہ ہے جو عنقریب شائع ہوگی معیارات خلافت بلا اجرت دفتر خلافت دیندار انجمن محلہ آصف نگر حیدرآباد سے حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم یعنی جگت گرو یہ وہ کتاب ہے جس کو ہندوستان کی مذہبی دنیا میں غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ اس کے دو حصے ہیں (۱) موجودہ کتب سماوی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت اور خصوصاً ہندوؤں کی کتب مقدسہ میں وضاحت سے موجود ہیں (۲) مسئلہ قربانی گاؤ (برائے ہندو مسلم اتحاد) جمیں اس بات کا ثبوت دیا گیا ہے کہ بزرگان ہنود نے گائے کی قربانی کی ہے ابتک اس کتاب کی کئی بار اشاعت ہوچکی ہے یہ اس کی اشاعت ہنجم ہے جس میں کچھ مضامین کا اضافہ ہوا ہے۔ قیمت ۴ر

لنگایت خصوصاً ایسے زمانہ میں جبکہ گاندھی جی نے تحریک ہریجن کے ذریعہ دراوڑی قوم کو (جو شیوا کے ماننے والے ہیں) وشنو کے ماننے والوں میں ضم کرنے کی درپردہ کوشش کی ہے۔ مولانا صدیق دیندار چن بسویشور صاحب قبلہ نے اس کتاب کی اشاعت سے قوم لنگایت پر ایک بڑا احسان کیا ہے۔ ہریجن یعنے ہراہری کے راز کو فاش کرکے آپ نے معقول دلائل سے ثابت کیا ہے کہ قوم لنگایت میں باوجود تغیرات زمانہ و جغرافیائی اثرات کے اب بھی ان کے تمدن معاشرت تہذیب وغیرہ کے بنیادی اصول عربوں ہی کے مماثل ہیں مسلمانوں اور لنگایت قوم کے اعتقادات رسم و رواج۔ عادات و اطوار میں اتحاد پایا جاتا ہے۔ بلکہ ان کے رسم خط میں بھی ام الالسنہ عربی کے رسم الخط کی مماثلت سے بحث کرکے یہ بتایا گیا ہے کہ موجودہ انقلاب ہند میں قوم لنگایت جو اقلیت میں ہے اپنی انفرادیت کو کسطرح باقی رکھ سکتی ہے

ملنے کا پتہ:- دیندار کتبخانہ محلہ جامع مسجد سکندرآباد دکن

رازِ حیات

مصنفہ مولوی [illegible] صاحب مبلغ اسلام

بے شک [illegible] یہ ایک مختصر کتاب اور پُر از معلومات
مکمل [illegible] ہر قوم کے لئے
زندگی اور موت کا سوال ہے۔ تو ایسی صورت میں مسلمانوں
کا غافل رہنا انکو فنا کے قریب کر دیگا۔ ایسے موقع پر یہ چھوٹا
رسالہ شائع کیا گیا ہے جسکا مقصد مسلمانوں کو صحیح راہ عمل پر
لگانا ہے۔ اس میں واقعات حاضرہ پر بالتفصیل بحث کرکے اس کا
تجزیہ کیا گیا ہے اور اس کے بعد قرآنی آیات کی روشنی میں انکی
[illegible] گئی ہے۔ اور قرآن ہی سے مسلمانوں کیلئے موجودہ ناموافق حالات
میں ایک نصب العین تجویز کیا گیا ہے جس میں یقیناً انکی فلاح ہے۔ جن لوگوں کو
یقین ہے کہ قرآن مکمل اور اکمل کتاب ہے اور اس کی تعلیم
انسانی شعبہ کیلئے مفید ہے تو اس کتاب کا ضرور مطالعہ کریں قیمت ۲

[illegible] چن بسویشور

مصنفہ حضرت مولانا [illegible]

آج سے تقریباً دو سو سال پیشتر بزرگان اقوام دکن نے
اپنی کتابوں میں ایک انسان کے آنے کی بشارت دی ہے
جو دیندار اور مسلمان ہوگا اور اپنی قوم کو ہدایت دیکر
اس کے ساتھ ہو جائیں اور مذہب اسلام قبول کر لیں۔ پیشگوئیاں
بارہ ہزار فقرات میں ہیں۔ اسمیں (۱۹۲) زمین و آسمان کے
نشانات ہیں جنمیں سے اکثر نشانات پورے ہو چکے ہیں اور
دیندار چن بسویشور کے (۵۶) نشانات ہیں جو سب کے سب حضرت
مولانا صدیق دیندار چن بسویشور رحمۃ اللہ علیہ میں پائے جاتے ہیں۔
اس کتاب میں مختصر مگر جامع طور پر ذکر کیا گیا ہے اس کتاب کا
مطالعہ ہندوستان کے ہر انسان کے لئے خالی از
فائدہ نہ ہوگا قیمت ۴ر

آریہ سماجی تحریک کا جواب

شہر کار عالی کی طرف سے جو پمفلٹ آریہ سماجیوں کی سیاسی اور مذہبی حالت کا انکشاف کرنیوالا نکلا ہے۔ اس کے سیاسی حصہ
کا جواب شہر کار عالی نے معقول طریقہ پر دیا ہے اور مذہبی حصہ کو صرف چھوڑ دیا گیا۔ اور مذہبی اعتراضوں کی وجہ لوگ
اکثر شبہ میں ہیں مثلاً (۱) یہ اعتراض کہ (نعوذ باللہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ بغیر پیدا ہونے پر ناجائز تعلق کا اندیشہ
ہوتا ہے (۲) (نعوذ باللہ) حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ہندو قبیلہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ (۳) سری
کشن بدمعاش اور چھچھورے تھے۔ (۴) انجیل دروغ بافیوں سے بھری ہوئی ہے۔ (۵) قرآنی اور پرانی کہیں یکساں طور پر
دروغ بافی کرتے ہیں (۶) حوا حضرت آدم کی پسلی سے پیدا ہوئی تھیں لیکن بعد ان کی بیوی ہوگئیں۔ (۷) حضرت محمد مصطفیٰ
صلی اللہ علیہ وسلم ایسے بڑے سائنسدان تھے تو پھر کیوں (نعوذ باللہ من ذالک) عمر بھر اس جھوٹی بات کو بطور عقیدہ مانتے
رہے کہ آسمان کسی سہارے پر قائم ہے۔ دیندار انجمن کی طرف سے ان تمام اعتراضات کا جواب عقلی و تحقیقی دلائل سے اس پیرایہ میں
دیا گیا ہے کہ اسکا طرز مناظرانہ طریقوں سے جدا ہے جسکے مطالعہ سے [illegible] ہم رکھتے ہیں کہ اسی قسم کے اور اعتراضات کرنیوالوں کو
ساکت کر دیگا قیمت ار

ملنے کا پتہ: [illegible] کتب خانہ نزد جامع مسجد سکندرآباد

[illegible] حیدرآباد

رجسٹری شدہ

ٹپہ آصفیہ نمبر ۱۶۹

بہ سرپرستی حضرت مولانا الحاج [illegible] پیشوا صاحب قبلہ مدظلہ العالی صدر جمعیت [illegible]

سکندرآباد (دکن) کا مذہبی و تبلیغی ماہنامہ

آواز

حقایق و معارف قرآنی و معروفات کتب آسمانی کا

(اردو مجلہ)

مدیر

حکیم محمد افضل شریف مبلغ اسلام

معاونین مدیر

مولوی محمد عبدالقادر مبلغ اسلام

آزاد صدیقی

خط و کتابت کا پتہ :- دفتر ماہنامہ آواز نزد جامع مسجد (سکندرآباد دکن)

قیمت سالانہ (۱۲) کلدار یا (دے) سکہ عثمانیہ - قیمت فی پرچہ (۵/)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

فہرست مضامین ماہنامہ آواز جلد (۵) شمارہ ۳ و ۴

بابتہ ماہ ربیع الاول و ربیع الثانی ۱۳۶۲ھ

معذرت چند ناگزیر مجبوریات کی وجہ ماہنامہ آواز کے ماہ ربیع الاول کی اشاعت کو ماہ ربیع الثانی کے ساتھ ملاکر نکالنا پڑا۔ وجوہات کتنے ہی معقول کیوں نہ ہوں عذر گناہ بدتر از گناہ کے مترادف ہے۔ قارئین کرام کے طویل مدت انتظار کی گرانی خاطر کا تصور ہم کو معذرت خواہی کیلئے مجبور کیا ہے لہذا ہم معافی کے خواستگار ہیں۔ ماہ جمادی الاول ۱۳۶۲ھ کے پرچہ کا انتظار فرمائیں عنقریب ارسال کیا جائیگا۔
انشاء اللہ تعالیٰ سال رواں کے دو ایک پرچے بہت جلد اندرون ماہ شائع ہونگے۔ مینجر

بسم اللہ الرحمن الرحیم — محمد و نصلی علی رسولہ الکریم

واستمع یوم ینادِ المنادِ من مکان قریب ۔ یوم یسمعون الصیحۃ بالحق ذلک یوم الخروج ۔

ترجمہ: سن جس روز پکارنے والا نزدیک جگہ سے پکارے گا جس روز چیخ کو حق کے ساتھ سنیں گے یہی دن ہے نکلنے کا۔

جلد ۵ — شمارہ ۲،۳

بابتہ ماہ ربیع الاول و ربیع الثانی سنہ ۱۳۶۶ھ

ماہنامہ آواز

سکندرآباد دکن

ترکی صحافتی وفد اور ہم

" اسلام صرف ایک مذہب ہی نہیں بلکہ ضابطۂ حیات ہے۔ اسلام بندے کو خدا سے ملاتا اور ساتھ ہی بندہ کو بندہ سے مربوط رکھتا ہے۔ اس لئے مسلم کی زندگی کا ہر شعبہ قطعاً اسلامی ہونا چاہئیے "

یہ وہ حقیقت اور صداقت ہے جس کا نہ صرف ادارۂ "آواز" نے اعلان کیا۔ بلکہ اس کا مدلل ثبوت بھی۔ کہ اسی نظریہ میں کتنی برکت و افادیت ہے۔ لادینی حکومت اور انفرادی مذہب کے تخیل کی تباہ کاری کو واقعاتی و تاریخی رنگ میں ظاہر کیا اور اسی کے ذریعہ فلسفہ "ثنویت روح و مادہ" کی نظری غلطیوں کو واضح کردیا۔ اس سلسلے میں "آواز" جلد سوم کے مضامین "اسلامی نظامِ حیات" "قرآنی سیاسیات" و "موجودہ جنگ اور فریضۂ حج" خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان نظریات کے پیش نظر ترکی صحافتی وفد کے صدر مسٹر اطائی کا یہ بیان ہمارے لئے کس قدر ناقابل برداشت ہوگا جو انہوں نے ۱۲ر جنوری پنجاب مسلم صحافت کی چائے نوشی کی دعوت میں ایک ہندوستانی صحافت کے نمائندے کے سوال کے جواب میں دیا کہ۔

" ہم پہلے ترک ہیں اس کے بعد مسلمان کسی اتحادِ اسلامی وفاق کی اسکیم سے کوئی دلچسپی نہیں "

" مذہب ایک مقدس شی ہے لیکن یہ انفرادی اور ذاتی ہے اور ترکی سیاست میں اس کے لئے کوئی جگہ نہیں "

ہندو صحافت نے اس بیان کو مسلم مفاد کے خلاف پروپیگنڈے کا ذریعہ بنا لیا۔ قوم پرست اخبارات نے اس کو وطنیت و قومیت کے پرچار کے لئے استعمال کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ترکی وفد کے خلاف مسلم صحیفہ نگار رنج و غصہ میں بھڑک اٹھے۔ کیونکہ قومیت و وطنیت

ترکی مسلمانوں کے لئے جو اپنے ملک میں کثرت سے ہیں جمہوری لحاظ سے مفید ہے تو ہندوستانی مسلمانوں کیلئے جو بلحاظ تعداد کثیر ہیں تباہ کن ہے۔ جوشِ اتنا بڑھا کہ بات وقفِ حدِ اعتدال سے نکل گئے۔ جو لکھا اور کہا گیا حالتِ غضب میں۔ اسی لئے بعض باتیں جو ترکی وفد کے خلاف کہی گئیں حقیقت پر مبنی نہ تھیں۔ نامہ نگار ہندو نے داخلی سیاسیات ہند کے لئے سوال کیا تو وا۔ د صدر ترکی وفد نے یہ سمجھا کہ مملکت ترکیہ کے معاملات دریافت کئے جا رہے ہیں۔ اس لئے جو کچھ کہا ٹھیک کہا۔ ہندو صحافت اپنے مقصد میں کامیاب ہوئی۔ ترکی وفد اس کی چال میں پھنس گیا۔ مسلم صحافت نے اس کو سیاسیات ہند میں غلط مشورہ سمجھ کر مخالفت شروع کی۔ ترکی وفد کا یہ بیان کیا تھا کہ مخالف و موافق بحث کے لئے ابواب کھل گئے۔

حقیقت یہ ہے کہ ترکی وفد نے مملکت ترکیہ کی صحیح ترجمانی کی۔ یہ صدر وفد کا ذاتی خیال نہیں بلکہ ترکی حکومت کی عین پالیسی ہے۔ دوسری طرف یہ بھی صحیح تھا کہ وفد نے مسلمانان ہند کو کوئی سیاسی مشورہ نہیں دیا۔ کیونکہ انہوں نے مسلم لیگ دہلی کی دعوت میں یہ وضاحت کردی تھی کہ وہ ہندوستان کی داخلی سیاست کے متعلق کچھ کہنا نہیں چاہتے لیکن مسلم صحافت نے اس بیان کو سیاسیات ہند میں غلط رہنمائی سمجھا۔ بہرطور مسلم صحیفہ نگاروں نے ترکی وفد کے بیان سے جو نتیجہ اخذ کیا وہ ان کی اپنی سمجھ کا معاملہ ہے۔ مقتدائے سنۃ بشر انسان ہر معاملہ کو اپنی ہی نظر سے دیکھتا رہا ہے۔

دنیا جانتی ہے کہ یورپی ممالک میں ترکی قوم صدیوں سے برسرِ اقتدار رہی ہے اور آج بھی اپنی ذاتی شرافت و خودداری کے اعتبار سے ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے ہمسایہ ملکوں میں اپنی شہنشاہیت کے وقار کو قائم اور توازن کے ساتھ اپنے اقتدار کو برقرار رکھنے کے لئے ترکی قوم نے جو جو قربانیاں کی ہیں تاریخی شاہد رکھتی ہیں اور کل واقعات سے تاریخ دانوں کے گوش و چشم آشنا ہیں۔ اس موجودہ عالمگیر جنگ کے زمانہ میں جبکہ کل دنیا کی چھوٹی بڑی سلطنتیں دست و گریباں ہیں۔ چھوٹی قومیں اپنی کھوئی ہوئی آزادی کو دوبارہ حاصل کرنے اور بڑی قومیں ان کو آزادی دلانے کے لئے اپنے آپ کو ہلاکتوں میں ڈال چکی ہیں۔ مملکت ترکیہ ہر جانب سے گھری ہوئی ہے۔ جنگ کے شعلے بھڑک بھڑک کر ترکی سرحدات کے قریب آکر شدت سے بڑھ جاتے ہیں۔ ایسی حالت میں ترکوں کو ہم ان کی اپنی سیاست کے کھلاڑی کہیں تو بیجا نہ ہوگا۔ ترکی قوم اپنے مسند مملکت پر بساطِ سیاست بچھائی ہوئی ناطرفداری کے مہرہ اس انداز سے چلائی ہوتی۔ عہد و پیمان کے تکیہ پہلو میں لی ہوئی۔ جان کی بازی لگا بیٹھی ہے۔ ترکی قوم کی ناطرفداری ایک طرف پیمان مودت ہے تو دوسری طرف اعلان جنگ بھی ہے کہ ان کو چھیڑ کر کوئی بچ نہیں سکتا۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ترکی قوم کو اپنے فعل و قول پر بذاتِ خود اور دوسری اقوام کو بھی اس کی ذات پر اعتماد حاصل ہے۔

مملکت ترکیہ کی سیاست حاضرہ کے مقابلہ میں ہم ہندوستان کے سیاسی دور کا بھی نقشہ کھینچیں اس لئے ضروری سمجھتے ہیں کہ آزاد ملک اور آزادی طلب ملک کے خیالات میں کوئی حدِ فاصل قائم کیا جائے۔ وہ یہ ہے کہ اہل ترک اپنی مملکت کی غیر متزلزل آزادی سے مطمئن ہیں اور اہل ہندوستانی اپنی زندگی بدستور غلامی کو تمام ہیاد آزادی سے بدلنے کیلئے

بے قرار ہیں ۔ ہندو قوم اپنی جماعت کے ساتھ آزادی کے یوسف گم گشتہ کی تلاش میں کنوئیں کنوئیں جھانک رہی ہے۔ ہندوستانیت کے پجاری اپنے بتوں کی محبت میں جب ان پر بے خودی کا عالم طاری ہوتا ہے تو جنگ وحشت کی بارشیں برسا کر اپنے کشت امید کو سرسبز دیکھنا چاہتے ہیں اور ثمر آزادی کی خواہش میں اپنی شاخ ویرگ کو اپنی ہی ہاتھوں سے ظلم کر کے گل تمنا کو از سر نو بلند کرنا چاہتے ہیں ۔ جب وہ عالم خودی میں آتے ہیں تب بھی جنون آزادی کا اثر ان کے دماغوں سے زائل نہیں ہوتا ۔ اپنے ملک کی کالی مٹی کے بتوں کو چھوڑ کر چین کے مذہبی رنگ اور یورپ و امریکہ کے سفید فام بتوں کے در پر ناصیہ سائی کر لیتے ہیں ۔ ملک چین سے چیانگ کائی شیک اپنا دکھڑا رونے اور اپنی بنیادوں کو مستحکم کرنے کے لئے ہندوستان میں آتے ہیں تو ان کو ہندو قوم اپنا دکھ سنانے کھڑی ہو جاتی ہے ۔ جب سنا کہ امریکہ میں آزادی کی حمایت ہو رہی ہے تو وہاں سے حصول عصا کے لئے اپنا دست ناتواں آگے بڑھا دیتی ہے بہر طور اس قوم کا مقصد حصول آزادی ہے جو دب کر اور دبا کر حاصل کی جا سکتی ہے ۔

ہندوستان کی دوسری قوم وہ جو مسلمان کہلاتی ہے "آزادی مانگی جاتی ہے" کے اصول پر کاربند ہے ۔ عملی میدان میں کاغذ کے گھوڑے دوڑانے اور قراردادوں کے مستحکم قلعہ بنوانے میں ہمہ تن مشغول ہے زمین اور آسمانوں کے مالک کا حصول کر پاکستان کی دریوزہ گری کیلئے ان خداوندان نعمت کی گلیوں کو ڈھونڈتی پھرتی ہے ۔ کہ جنکے ملک میں آفتاب غروب ہوتے دکھائی نہیں دیتا ۔ اگر بھیک کا ٹکڑا اپنے کشکول میں پڑ جائے تو غرباء اپنی جھونپڑی میں اور امیر اپنے محل میں کھا پی کر سرکار کے حق میں دعائے ازدیاد عمر و اقبال کرتے پڑے رہیں گے ۔ دونوں قوم ہندو اور مسلم اپنے اپنے نظریہ کے ماتحت راہ عمل پر گامزن ہیں ۔ یہ دونوں فریب خوردہ آزادی ہیں جنکے لئے کوئی نوید دعا و تسلی بخش ثابت نہیں ہو سکتی ۔

مملکت ترکیہ جیسے آزاد ملک کا آزاد خیال وفد کا اپنی سیاحت کے تحت ہندوستان کے آئینی آئندہ کی بنیاد و بیٹھ کا معائنہ کرنے یا اس آئینہ سے اپنے سیاست کے رخ کا داغ دھبہ درست کرنے بہر طور ہندوستان میں آنا بھی کیا تھا کہ ہندوستان کے قومی و وطنی سیاس ان پر ٹوٹ پڑے ۔ ان کو موقع نہیں دیا گیا کہ وہ ہندوستان کی صحافت کا مطالعہ بخوبی کر سکتے تاکہ ہندوستانیوں نے اپنے ملک کے سیاسی درس کا آموختہ سننے کے لئے ان کو مجبور کیا ۔ وہ اپنے مخصوص نظریہ کے تحت معلومات فراہم کرنا چاہتے تھے ہندوستانی صحافت میں انھیں کچھ نہیں ملا ۔ بلکہ ہندوستان میں ترکی وفد کا دورہ آنا مسلم جماعت کے شبہات کو یقین سے بدلنے کا سبب بن گیا ۔ مسلمانان ہند کی توقعات جو مملکت ترکیہ سے وابستہ تھیں ۔ ان میں شکست پائی گئی ۔ پھر ایک مرتبہ وہ پرانا سبق یاد آ گیا کہ مصطفیٰ کمال نے ۔۔۔ ۸ صد سالہ خلافت عثمانیہ کو پارہ پارہ کر کے اسکے لیے مذہبیت کے خیازہ پر بطور چادر استعمال کیا تھا ۔ ترکی حکومت کی بنیاد ان کی اپنی قومیت پر رکھکر اسلامیت پر ترکیت کو فوقیت دی تھی ۔ اصل بات یہ ہے کہ محکوم مسلمانوں کے لئے ترکی حکومت

اپنی خلافت کی وجہ سے ایک [illegible] ہوئی تھی۔ اگرچہ مسلمان جانتے تھے کہ حکومت ترکیہ ممالک غیر میں محکوم مسلمانوں کے [illegible] درد میں [illegible] بھی نہیں کر سکتی تھی مگر ان کی نام نہاد خلافت کا تصور بھی نام نہاد مسلمانوں کے دل کو خوش کرنے کے لئے ایک کافی ذریعہ تھا۔ مسلمانوں نے دیکھا کہ ان کی مرکزیت کا علم گرا دیا گیا ہے خلافت ہی کا خاتمہ کر دیا گیا تو ترکوں سے کوابستہ سی پیدا ہوگئی جس کا اثر یہ ہوا کہ ترکوں کے سیاسی امور [illegible] سب سے طاق رکھے [illegible] جانے لگے۔ اور ہر نفع [illegible] کا بکھرا معاملہ کھوتا ہی نظر آنے لگا۔

ترکی قوم اپنے نظریہ حکومت کو کیوں بدلنے پر مجبور ہوئی جدید ترکی کی سرسری مختصر تاریخ "غلطی اگر [illegible]" کے مطالعہ سے پتہ چل سکتا ہے۔ ۸۰۰ سال خدمت تھے ترکوں کو اگر واقعی کوئی فائدہ پہنچ سکتا تھا تو ترک کبھی بھی خلافت کو اپنے بازو سے نہ اتارتے اور نہ نام نہاد خلافت کے طرۂ امتیاز کو ملوکیت کے تاج سے علیحدہ کر کے اپنی مملکت کو ماحول کے [illegible] کرتے۔ ترکی تاریخ کا بنظر صحیح اگر مطالعہ کیا جائے کہ ابتداء سے ترکی حکومت دولت عثمانیہ کے نام سے موسوم رہی۔ بلحاظ جاہ و جلال اس کو حرمین الشریفین کی خدمت کا موقع ملا اس وجہ سے سلطان مسلمانان عالم کا خلیفہ کہلاتا رہا اسطرح ۸۰۰ سال ترکوں میں خلافت رہی۔

خلافت عرصہ تک ایسا ادارہ رہا کہ مسلمان خلیفہ کو اپنا دینی، دنیوی پیشوا اور خلافت کو دنیائے اسلام کا مرکز سمجھتے رہے۔ اس کا احترام اور اس کی ناطر [illegible] کرتے رہے لیکن یورپ کے صنعتی انقلاب نے وہاں سرمایہ داروں کو عروج دیا۔ [illegible] کو اپنے مال کی [illegible] کچے مال کی فراہمی کے لئے نوآبادیات کی ضرورت پڑی۔ انہوں نے سامراجی حکومتیں قائم [illegible] جنہوں نے [illegible] اپنے پشت پناہ [illegible]۔ اسلامی ممالک بھی اس لوٹ کا شکار ہونے شروع ہو [illegible] مشرق میں مغربی عناصر کی آمد اور مغرب کی سامراجی حکومتوں کی چال بازیوں کی بدولت ایک زمانہ وہ آگیا جب خلیفہ کی طاقت اور اس کے اختیارات آہستہ آہستہ کم ہونے لگے بعد خود خلیفہ نے اسوۂ رسول کو چھوڑ کر [illegible] طریقہ اختیار کرنا شروع کر دیئے جس کو اسلامی خلافت کسی طرح نہیں کہا جا سکتا اور خلافت جیسے مقدس ادارے کو اپنی ذات کی خدمت اور اپنی حکومت کی بقاء کے لئے استعمال کرنا شروع کیا۔ عوام اصلاحات کا مطالبہ کرتے۔ سلطان ان کو مذہب کے نام پر کچل دیتے۔ ادھر سیاسی لحاظ سے خلیفہ کو اس طرح مجبور کر دیا تو دوسری طرف مغرب کے علمی حملے نوجوان ترکوں کے قلوب میں طرح طرح کے وساوس پیدا کر دیتے ہوا شاید بندھ جاتی اگر ہمارے علماء بصیرت سے کام لیتے اور ان فکری علوم کا ذہنی علوم کی راہیں [illegible] سے مقابلہ کرتے یہ کوئی پہلا موقع نہ تھا۔ اسلام کو اس [illegible] یونانی فلسفہ کا دنیائے اسلام میں [illegible] چکا تھا۔ امام غزالی نے اس کا [illegible] علم کے پیاسے اپنی پیاس بجھاتے مگر علمائے ترکی کی ہمت نہ بڑھی۔ وہ اپنے [illegible] تجربوں سے باہر نہ نکلے۔ میدان ہاتھ سے نکل گیا۔ دن بدن

اس جستہ جستہ مختصر تاریخ نے اپنے عنوان "غلطی کی ذمہ داری" کو واضح کر دیا۔ مغربی روباہی سیاست نے سیاسی غلامی کی خاطر ترک نوجوان کو ذہنی غلامی میں مبتلا کر دیا۔ اسلامی تہذیب و سیاست سے وہ شرمسار ہو گیا۔ مغربی دام تزویر میں وہ اس قدر آ گیا کہ اس کو قابل فخر سمجھنے لگا۔ مغرب کی تقلید میں سیاست کو دین سے علیحدہ کر لیا۔ لیکن یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ ان کی صحیح رہنمائی کرنیوالا کوئی نہ تھا۔ وہ جو ان کو ایمان کی سلامتی کی دعوت دے رہے تھے اپنی روٹی کی سلامتی کی فکر میں بیرونی عناصر کا ساتھ دے رہے تھے۔ وہ خود فروش تھے اس لئے آزادی کے دلدادہ ان سے بیزار و متنفر ہو گئے۔ ان کا فرض اولین تھا کہ وہ میدان میں آتے مغربی وساوس کو جو علمی رنگ میں حملہ آور تھے اسلام کے براہین نیرہ کے ہتھیار سے شکست فاش دیتے۔ اسلامی سیاست اور دین کی ہیئت اجتماعی کی افادیت قلب و نظر کی روشنی میں واضح کرتے۔ وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے۔ اگر کچھ کیا تو یہ کہ کفر کے فتوؤں کی مشین گن چلاتے جس کا نشانہ مسلم نوجوان ترک تھے۔ شاید یہ حرکت مفید ہوتی۔ اگر ترک نوجوانوں کو ان کے خلوص پر یقین ہوتا۔ چونکہ علماء ان کے ساتھ تھے جو ترک نوجوانوں کی جدت کا بے دردی سے خون کر رہے تھے۔ اس لئے ترک نوجوان ان کی اچھی باتوں کو بھی استبدادیت کی نئی چال تصور کرتے۔ اتحاد عرب کی تحریک اور اس کا مغربی عناصر کے ساتھ ہونا۔ البانیہ کا جدا ہو جانا۔ خلیفہ کی آواز کا بے اثر ہونا۔ ترک نوجوانوں کے لئے اور بھی مایوس کن ہوا۔ اس لئے جوں ہی ترک نوجوانوں نے اقتدار کی باگ اپنے ہاتھ میں لی۔ اپنی سیاست کو دین سے جدا کر لیا۔ یہ نئی چیز نہیں تھی۔ نام نہاد خلافت کے زمانہ میں بھی مذہب سیاسی کاروبار میں برائے نام تھا۔ بلکہ مذہب کا نام اس وقت لیا جاتا جبکہ اپنی ذات خطرہ میں ہوتی۔ جدید ترکیہ کی حکومت نے اپنی بنیاد قوم پرستی پر رکھی۔ اسلامی عالمگیر برادری کا تخیل ختم کر دیا۔ یہ بھی ترکوں کیلئے نئی چیز نہ تھی۔ ترک اپنے ہمسایہ مسلم حکمراں ایران سے اس وقت بھی برسرپیکار رہتے تھے جبکہ حکومت عثمانیہ کا مقتدر اعلیٰ خلیفہ کے نام سے مشہور ہوا کرتا تھا قوم پرستی کا تخیل یقیناً ترکی کی داخلی سیاست میں مفید ہے جہاں مسلم اکثریت ہے اور اقلیت کسی فرقہ وارانہ بنیاد پر مخالف نہیں ہو سکتی۔ جمہوریت مسلمانوں کے لئے اس لئے نقصان دہ نہیں کہ وہ ترکی میں اکثریت رکھتے ہیں لیکن ان کی یہ پالیسی خارجی حیثیت سے سخت نقصان رساں ہوگی۔ غرض جدید ترکیہ ایک شکست خوردہ ذہنیت کا نتیجہ ہے جس کی تمام تر ذمہ داری نہیں تو بڑی حد تک ذمہ داری ترک کے مذہبی پیشواؤں پر ہے۔ یہ وہ واقعات ہیں جن کی روشنی میں جدید ترکیہ کی اصلی صورت کو دیکھ سکتے ہیں۔ مگر مسلم صحیفہ نگاروں نے ان واقعات کو نظر انداز کر کے ان کی مملکتی پالیسی پر نکتہ چینی شروع کر دی کہ غیر ممالک کے اقلیت کا درجہ رکھنے والی مسلم جماعت سے ترکوں نے بیجا اپنی قومیت کے اپنے آپ کو علیحدہ کر لیا ہے

ترکی صحافتی وفد جب شمالی ہند میں ہی تھا اخبارات کے ذریعہ معلوم ہوا کہ اس وفد کے پروگرام میں حیدرآباد کا قیام بھی داخل ہے۔ جمعیت خلافت مشرقہ (حیدرآباد) نے اپنی تحریک کی تشریح کے ساتھ ترکی وفد کو دعوت نامہ روانہ کیا جو شمالی ہند کے موخر اخبارات میں شائع بھی ہو گیا۔ جبکہ اس وفد کا حیدرآباد میں دورہ ہوا انجمن صحافت کی طرف سے ان کو عصر

رکھتے ہیں"۔ میری امید بندھ گئی کہ اینہا ہم غنیمت است کہ مسلمان ہیں اور اسلامی برادری کے قائل ہیں۔ دنیا کے سب مسلمانوں کا یہ حال ہے تو پھر ترکوں ہی سے کیوں گلہ کیا جائے۔ ہم سب کو سدھرنا اور آگے بڑھنا ہے۔

اس کے بعد ادھر ادھر سے مختلف سوالات ہونے لگے۔ خصوصاً کانگریسی خیالات کے ایک لیڈر نے وفد سے دریافت کیا کہ وہاں مملکت ترکیہ میں سب سے کم اور سب سے زیادہ تنخواہ کی شرح کیا ہے؟ صدر وفد نے ہنستے ہوئے جواب دیا اگر ایسے سوالات کا پہلے ہی آپ کو علم ہوتا تو ایک سوشلسٹ ہم ساتھ رکھتے۔ کافی وقت ہو چکا تھا اس لئے مزید سوالات کے لئے دوسرا وقت نکالا گیا۔ مجمع برخاست ہوتے ہوتے میں آگے بڑھا اور میرے ہاتھ جمعیت خلافت بشرہ کا پیغام حیات تھا۔ نواب علی یاور جنگ بہادر سے میں نے درخواست کی کہ میرا پیام ان کو سنا دیا جائے تو عین نوازش ہوگی۔ مگر شنوائی نہ ہو سکی کیونکہ میں ایک پرانی وضع کا فقیر اور فقیرانہ لباس میں ملبوس نظر آتا تھا۔ ان کا مستحق نظر کرم نہ ہو سکا! تمام حجت کے لئے میں نے آخری مرتبہ نواب صاحب ممدوح کے دست کرم کو میری اپنی دستگیری کا سہارا سمجھ کر پکڑا۔ مگر "وہ چلے جھٹک کے دامن میرے دست ناتواں سے" کا عالم میری آنکھوں میں پھر گیا۔ میرے دل میں جذبات کا ہجوم تھا اور میں بابرتن تنہا عوام کے ہجوم میں تھا۔ فقیر اور امیر کی کشمکش دیدنی تماشا تھی۔ صدر وفد میرے قریب پہونچے۔ میں نے ان کا ہاتھ پکڑا اور اپنی ٹوٹی پھوٹی انگریزی زبان میں متعلقہ باتیں کہتے ہوئے ان کے ہاتھ پیغام حیات پہنچا ہی رہا تھا۔ اتنے میں ہمارے حیدرآباد کی قوم پرست جماعت (کہا جاتا ہے کہ اس کے اراکین کی تعداد ساڑھے چھ ہے۔ نہیں جانتا کہ کیا ہے۔ بہر حال کچھ ہے) کے ایک ممتاز رکن ڈاکٹر لطیف سعید نے صدر وفد سے کہا کہ اگر آپ وقت ضائع کرنا چاہتے ہیں تو ان لوگوں کے کاغذات پڑھئے۔ شاید ڈاکٹر صاحب اس ذریعہ سے اپنی قومی مصروفیات اور وقت کی قدر ترکی وفد کے سامنے ظاہر کرنا چاہتے تھے جس سے ان کے احباب بخوبی واقف ہیں۔ میں نے کہا ڈاکٹر صاحب! ایک آپ ہی نہیں بلکہ ترکی قوم کے لیڈروں نے اپنا قیمتی وقت لگا لگا کر قومی ترقیات کے لئے جو پروگرام مرتب کیا عملی نتائج آپ کے روبرو ہیں اس میں ملک گیا۔ عزت گئی۔ ترک آپ ترکوں کو چھوٹے اس واسطے میں ترکوں کے لئے وہ پیغام حیات لایا ہوں ڈاکٹر صاحب! یہ میری جدوجہد میرے ذاتی مفاد کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ قومیت اور وطنیت کسی اشخاص کی ملکیت ہوتی ہے۔ یہ چیز انسانی وحدت کے منافی ہے۔ فقیر کے پیش نظر بس یہی ایک بات ہے کہ چرواہے کی جھونپڑی میں بھیڑوں کے ساتھ پلے ہوئے شیر کو کہا کہ بیٹے بھی نہیں بلکہ اس کے روح کو اصلی صورت دکھانا ہے۔ میری ان باتوں سے صدر وفد کا دل شوق سے معمور نظر آتا تھا۔ انہوں نے دست طلب میری طرف بڑھایا۔ اور ڈاکٹر صاحب موصوف دیکھتے ہی رہ گئے۔ سب سے پہلے میں نے تقدس مآب حضرت مولانا صدیق دیندار چن بسویشور صاحب قبلہ صدر جمعیت خلافت مبشرہ کا فوٹو اور ان کے دست مبارک کے وہ نقوش دکھلاتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس ہاتھ کو ایسے سانچہ میں ڈھالا ہے۔ نقوش ایسے دلفریب۔ یہ نشانات تیر و کمان۔ یہ کلہاڑی یہ تیر۔ یہ انسان کے جسم کا نصف حصہ۔ ہندو قوم کا مذہبی نشان ترشول۔ اور ننگ اور مثیل کا شبیہ وغیرہ وغیرہ۔ یہ محیر العقول نشانات دنیا کے کسی گوشہ میں کسی شخص کی ہتھیلی میں نہیں پاؤ گے۔ اور فوٹو میں خصوصاً وہ مسہ جو سیدھے رخسار پہ اور وہ غدود و مسہ کا نشان جو حضرت قبلہ کے شانوں کے درمیان

واضح ہے بتاتے ہوئے کہا کہ اس مبارک ہستی والے انسان کی پیدائش اور آپ کے مبین حیات واقعات کا ذکر سینکڑوں ..... سال پیشتر کی کتابوں میں چلا آرہا ہے۔ اور احادیث کی پیشن گوئیاں اس انسان کے مبارک وجود پر صادق آتی ہیں۔ اور پیغام حیات کو صدر وفد کے حوالے کرتے ہوئے کہا کہ اس میں اسی مبارک انسان کا یہ پیغام ہے۔ اس میں احادیث کی روشنی میں اتاترک مصطفیٰ کمال کی شخصیت کو واضح کیا گیا ہے۔ ۱۹۱۴ء کی جنگ کو اور ۱۹۲۴ء میں اتاترک کے شکست خلافت کے حقیقی وجوہات کو مقدرات کے تحت بتلایا گیا ہے۔ اور ہندوستان کی سرزمین میں وینداچن بسویشور اوتار سے ترکوں کے حقیقی تعلقات کا اظہار کیا گیا ہے۔ اور اس چودھویں صدی ہجری میں دین اسلام کے عروج کی پیشن گوئیاں اور جلالت الملک اعلیٰحضرت میر عثمان علی خاں خلد اللہ ملکہ کے خلافت کی خبریں بتلائی گئی ہیں۔ اور کل واقعات زمانہ موجودہ کو قوموں کے عروج و زوال کو اور زمانہ کے تغیر اور تبدیل کے اسباب و علل کو مقدرات کے تحت ثابت کیا گیا ہے۔ مقدرات کے یہ معنی نہیں کہ انسان بے عملی کی دنیا میں مردہ کی طرح زندگی بسر کر کے عاقبت کا تماشا دیکھے بلکہ مقدرات مومن کے لئے تقویت ایمان کا باعث ہوتے ہیں۔ کل عمل علی شاکلتہ کے مجسمہ کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کے عالم الغیب ہونے پر مومن بذات خود گواہی دیتا ہے۔

صدر وفد نے اس وعدہ کے ساتھ پیغام حیات کا نسخہ مجھ سے حاصل کر کے اپنے جیب میں رکھ لیا کہ وہ ضرور پڑھیں گے میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہ اپنے فرض سے سبکدوش ہوا واپس لوٹا۔

۱۱، فروری ۱۹۴۳ء کے اس بیان سے ترکی وفد کے لاہور والے بیان کی صفائی ہو گئی جو صدر وفد نے حیدرآباد کے صحافتی جلسہ میں دیا۔

"جوابات کے اس طرح ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے کہ وہ اخبار کی انفرادی پالیسی کے مطابق ہو جائیں۔"

(مدیر)

ہز ایکسلنسی وائسرائے کی مجوزہ قومی حکومت

صدر جمعیت خلافت مشر کا پیشکش

کانفرنس قائدین منعقدہ بمبئی کی حالیہ یادداشت کے جواب میں ہز ایکسلنسی وائسرائے بہادر نے اس کانفرنس کے نتیجہ میں کوئی ٹھوس تجویز پیش نہ ہونے کا بجا طور پر ذکر کر کے موجودہ سیاسی تعطل کے عاجلانہ اختتام اور مطالبہ قومی حکومت کے فی الفور رد کر دینے سے متعلق اپنے مضطربانہ تعلق خاطر کا اظہار فرماتے ہوئے آئندہ تشکیل حکومت کے سلسلے میں جن اہم تحقیقات

قومیت کی بنیاد محض مذہب پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کانگریس کی مغربی سیاست اقوام ہند میں مستحکم وحدت پیدا نہیں کر سکتی۔ ظاہر ہے کہ ان مادی بنیادوں پر جو حکومت تشکیل دی جائے وہ فضائے ہند کے لئے بالکل ناسازگار ہوگی کیونکہ یہ ملک مذہبی ہونے کی وجہ یہاں کے بسنے والوں میں جذبہ مذہبیت دیگر جذبات وطنیت و قومیت پر غالب ہے۔ گزشتہ پالیسی کی سیاسی جدوجہد کا اگر اس روشنی میں تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس پوری کدوکاوش کا نچوڑ جس کے لئے ہندوستانیوں نے اپنا خون پانی ایک کیا۔ صرف تین اصول نظر آتے ہیں وہ یہ کہ

(۱) ہندوستان کی حکومت ہندوستانیوں کے ہاتھ میں رہے (۲) ہندوستان کی دولت و ثروت ہندوستان ہی میں رہے۔ (۳) ہندوستان کی قومی زبان ہندی بنا دی جائے۔ ناممکن تھا کہ مختلف اقوام و مختلف الالسنہ لکھنے والے اس جزیرہ نما میں جو اتفاقاً ایک ملک و منی و سیاسی تمدنی و معاشرتی۔ اقتصادی و علمی اعتبار سے سات سمندر پار بسنے والی ایک بدیسی قوم کے زیر تسلط رہا ہو۔ ان تین اصولوں کے ذریعہ اقوام ہند میں اتحاد و یکجہتی پیدا کر کے سوراج حاصل کیا جا سکتا۔ اس بے اصولی سعی نامشکور کا جو نتیجہ نکلنا تھا وہ تو غالباً کرتی رہا۔ اعادہ تفصیل حاصل تحریر نہیں افسوس اس امر پر ہے کہ باوجود اس فاش غلطی کے جو ناکامی وہ نامرادی اور باہمی بے اعتمادی پر منتج ہوئی۔ قائدین ہند اب تک یہی راگ الاپے جاتے ہیں۔ سنا تھا [illegible] تلخ تجربہ کے بعد چاہیے تو یہ تھا کہ یہ نام نہاد قائد (گرو یا مربی) کی خطرناک صدا سے بے انجام سے جو محض تخریبی اسپرٹ کی آئینہ دار ہے۔ کلی دست بردار ہو کر اپنی درماندگیوں کا علاج مذہب اور ادب مذہب میں ڈھونڈتے جو ہمیشہ سے ان کا آخری سہارا ہے۔

نامناسب نہ ہوگا اگر اس جگہ ہما [illegible] اس بیان کی مزید تائید کے لئے تھوڑا بہت تاریخی تبصرہ کر دیا جائے۔ بنا برین تاریخ ماضیہ پر ایک طائرانہ نظر ڈال لی جائے تو معلوم ہوگا کہ ہندوستان ازمنہ گزشتہ میں کبھی کسی وقت لادینی سیاسی وحدت میں [illegible] رام راج۔ اشوک راج۔ [illegible] رام راج۔ منو راج۔ [illegible] راج۔ چندر گپت راج۔ یہ سب دھرم راج تھے۔ گو اس زمانہ میں بھی یہاں کی مختلف اقوام میں قومی و ملکی وحدت نہیں آئی۔ مگر اس اشتیاق و افتراق قومی کا جو موزوں و سازگار [illegible] انہوں نے تجویز کیا تھا۔ وہ قارئین کے لئے دلچسپ ہی نہیں بلکہ قابل تحسین و لائق آفرین ہے۔ مشت نمونہ ہم منو دھرم راج کے سرسری تذکرہ پر اکتفا کریں گے۔ منو جی مہاراج نے اپنے عہد میں ہندوستان کی قوموں کو چار ورنوں (دائرہ معیشت) میں [illegible] مشہور ہیں تقسیم کر کے اس صورت [illegible] جیسے عقیدہ کا روحانی رنگ دے کر نہ صرف باہمی حسد کی جڑ کاٹ ڈالی۔ بلکہ دلی روحانی اطمینان کا سامان فراہم کیا۔ غرض اس ملک کی ابتدا سے ہی کچھ ایسی فضا رہی ہے کہ سوائے دینی مذہبی تحریک کے کبھی کوئی [illegible] یہاں [illegible] نہ ہو سکی۔ [illegible] کی طویل المیعاد حکمرانی کا بھی راز ہے۔ دیگر یہ کہ ان حکمران قوموں نے ہند ہی کو اپنا وطن بنا لیا تھا۔ ماحصل ان واقعات و حقائق سے یہی نتیجہ مستنبط ہوتا ہے کہ ہماری موجودہ بے چینیوں۔ سیاسی بے اعتمادیوں۔ باہمی کدورتوں۔ ذہنی و سیاسی غلامی اور اقتصادی و معاشی

پستیوں کا بکلی اختتام ایک ایسی ہی ہے۔ گر مستحکم و مستقل سلطنت کے قیام میں مضمر ہے جو یکطرف تو اقوام ہند کے عقیدہ و مذہبی آزادی کی محافظ اور اس کے ثقافت و کلچر تہذیب و تمدن کی ضامن و نگران ہو اور ہر قوم کے دھرم شاستر کی رو سے مصالح خصوصیات و تنازعات کا سر انجام کرے تو دوسری طرف ملک کے تمام ذرائع و وسائل کو بحفظ ملک کے باشندوں کی فلاح و بہبود پر لگائے سلاطین مغلیہ کی طرح رعایا داری کی غایت درجہ پاسدار ہو۔ جیو اور جینے دو کی سنہری پالیسی اس کا نصب العین ہو۔ اب ہم نفس مضمون کی طرف لوٹتے اور ان خصوصیات کو کہیں تلاش کرتے ہیں۔ تو ہمیں بلا شبہ ایک ہی سلطنت حضور نظام کی ایسی نظر آتی ہے جو مغلوں کی صحیح جانشین و حقیقی یادگار اور برٹش امپائر کی حلیف وفادار ہندوستانیوں کی نظروں میں قابل اعتماد، آئینہ و ہمہ پہلو ہندوستان کے عنان اقتدار سنبھالنے کی اہل و حقدار نظر آتی ہے جس کی تصدیق ملک معظم جارج پنجم آنجہانی کے ایک مکتوب محررہ ۲۴ جنوری ۱۹۱۸ء سے ہوتی ہے۔ الفاظ یہ ہیں جو ہز مجسٹی کے قلم خاص سے نکلتے ہیں "حضور نظام ہندوستان میں سب کی قیادت کرنے والے اسلامی والی ریاست کی حیثیت سے لطف اندوز ہیں"

رہا یہ کہ ہم مملکت حضور نظام سے مطلوبہ حکومت کے چندان اجزائے ترکیبی کا ایک ایک کر کے بیان کریں جن کی طرف ہز ایکسلنسی نے ارشاد فرمایا ہے۔ اولا یہ دیکھنا پڑے گا کہ کیا اس مملکت میں تمام جماعتوں اور رعایا سے سارے طبقات کی نمایندگی کما حقہ ہوتی ہے یا نہیں؟ سو ہم یقین دلاتے ہیں کہ اصلاحات دستوری کا جو مستحسن اقدام ہماری اس مملکت نے حال حال میں کیا ہے وہ یہی ہے کہ پیشہ ورانہ طبقہ واری بنیاد پر مختلف ایوانہائے حکومت میں نمایندہ لئے جاتے ہیں جس کی وجہ باستثنائے احدی تمام طبقات رعایا کی بلا تخصیص ملت کامل نمایندگی ہوتی ہے۔ لو تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ ہی سہی۔ مروجہ راج کے قدیم اصول حکمرانی کی ہی یہاں کار فرمائی نظر آتی ہے جس کی صراحت ہم نے اوپر کر دی ہے علاوہ ازیں دیہی پنچایتوں۔ اضلاع و صوبہ واری کانفرنسوں کے ذریعہ حکومت و رعایا میں جو قریبی ربط پیدا کیا گیا ہے وہ مزید برآں ہے۔ اس طرح راعی و رعایا میں تعلقات کی جو خوشگواری ہمیں یہاں نظر آتی ہے کہیں ڈھونڈے نہ ملیگی۔ یوں تو جلالت الملک محترم راجہ اعلیحضرت ظل سبحانی مدظلہ العالی اور آپ کے مبارک خانوادہ آصفیہ کے گزشتہ سوا دو صد سالہ دور حکومت نے امن و امان اور اپنی عزیز رعایا برایا سے بے نظیر حسن سلوک رواداری کا جو تاریخی ریکارڈ چھوڑا ہے وہ اس کی کافی ضمانت ہے کہ مظلوم ہندیوں کی ہر مصیبت و درد کا درمان وابستگی دامان دولت آصفی میں ہے اور یہ [illegible] امر ہے ضرور ہو کر رہے گا۔

ثانیا یہ کہ [illegible] اقلیتوں کے تحفظ سے متعلق ہم اتنا عرض کئے دیتے ہیں کہ چلئے تو یہاں کوئی الیکشن یعنی انتخابی نظام ایسا نہیں ہے جو قومی و مذہبی بنیاد پر [illegible] نمایندگی کا حامل ہو [illegible] اکثریت اور اقلیت کو ناخوشگوار امتیاز پیدا نہیں ہوتا پس تحفظ اقلیت کی کوئی صورت ہی نہیں ہے۔ [illegible] اقلیتوں کی ہمہ جہتی ترقی کے لئے بطور خاص مراعات [illegible] دی گئی ہیں۔

ب ۔ دیسی ریاستوں کی نمایندگی کا تعلق آیندہ مشغلی اقتدار پر منحصر ہے۔ مگر اس سلسلہ میں ہم اتنا ضرور عرض کریں گے کہ
مملکت حضور نظام صورت موجودہ میں ہی شہنشاہی شان اپنے اندر رکھتی ہے شہنشاہیت کے لئے ضروری ہے کہ اس کے ماتحت
کئی بادشاہ اور کئی بادشاہتیں ہوں۔ سو ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں کا دربار کئی شاہوں۔ امیروں۔ راجاؤں۔ مہاراجوں۔ نواب
و جاگیرداروں سے معمور ہے۔

ہز ہائینس سلطان مکلا اس مملکت کے جاگیردار ہیں جن کو گورنمنٹ برطانیہ سلامی دیتی ہے۔ سابق شدہ صوبجات مالی
استھانہ یہاں کے منصبدار ہیں۔ ہز ہائینس مہاراجہ ہولکر یہاں کے موروثی پٹیل ہیں۔ مہاراجہ جودھپور او مہاراجہ جے پور
یہاں کے جاگیردار ہیں۔ اس کے علاوہ رقبہ و وسعت اور آبادی کے لحاظ سے یہ سلطنت آصف عظیم الشان ہے کہ بعض شہنشاہیوں
سے بھی بڑی ہے۔

سوائے اس کے دوم راجہ کے عالمگیر نصب العین کی تکمیل کے لئے منفا بادیگر ... ہے عالم ایک خاص خصوصیت ہم یہ دیکھتے ہیں کہ
یہاں تمام دنیا کی اقوام و قبیلے کے بعض بادشاہوں اور بڑے بڑے سردار رہتے اور ان کے اس مملکت کے زیر سایہ پرورش
پاتے ہوئے جان نثاری و وفاداری کا دم بھرتے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ عرب۔ ترک۔ ایرانی۔ افغانی۔ حبشی۔ بلوچی۔ سندھی
مغل و تاتاری۔ کائستھ۔ برہمن۔ ٹھاکر۔ راجہ۔ راجپوت۔ سکھ۔ مرہٹہ۔ یوپی۔ و کاٹھیاواڑی۔ بالخصوص یورپین وغیرہ
بادشاہ و سردار اپنے ہزارہا آدمیوں کے ساتھ سپاہیانہ و مجاہدانہ خدمت بجا لا رہے ہیں۔ یہ امر قرینہ ہے اس بات کا کہ
دیسی ریاستوں کی نمایندگی اس مملکت سے اگر متعلق کر دی جائے تو بدرجۂ کمال اس کے اندر صلاحیت موجود ہے کہ وہ اس کو
بطریق احسن سنبھال سکے۔

امر سوم انصرام جنگ میں امداد و اعانت سے متعلق ہے۔ یہ اظہر من الشمس ہے کہ اس مملکت نے اس وقت تک اپنے
امکانی وسائل و ذرائع کو جنگی خدمات میں لگانے سے کبھی دریغ نہیں کیا۔ کروڑہا روپیوں کی خطیر رقم کے علاوہ بے اندازہ جانی
امداد اور بحری و ہوائی فوج سے سرکار برطانیہ کی جو خدمت کی ہے۔ اس کا اعتراف قدردان گورنمنٹ برطانیہ کی طرف
سے نہایت ہی استحسان آمیز الفاظ کے ساتھ وقتاً فوقتاً جو ہوتا جا رہا ہے اس سے ملک کا ہر خاص و عام واقف ہے اعادہ باعث طوالت

امر چہارم یہ ہے کہ الحمد للہ دشمن کے مخالفات کو اپنے کسی عمل سے تقویت پہنچانا تو اس مملکت کے لئے جس کی
دوستی و وفاداری گزشتہ ڈیڑھ صدی سے برطانیہ کے ساتھ مسلم ہے بہت بڑی چیز ہے۔ مگر ہم فخریہ طور پر اس کا اظہار کرنے پر
مجبور ہیں کہ اس مملکت میں اپنی حلیف و وفادار برٹش سرکار کے خلاف کسی قسم کی شورش و بغاوت پھیلانے والی تحریکات کے
قدم ہی جمنے نہیں دیئے جاتے۔ مگر باوصف اس کے اس مخلصانہ ساتھ داری کا کوئی صلہ اب تک نہیں مل سکا۔

خاتمہ پر بطور خاص ہم جمعیت خلافت مشرقہ کی طرف سے جس کے سرگرم ممبر ہزارہا کی تعداد میں کل ملک ہند میں کام
کر رہے ہیں۔ یہ اعلان کر دینا ہی غایت درجہ ضروری سمجھتے ہیں کہ ہندوستان کی موجودہ پیچیدہ صورت حال اور سیاسی افراتفری

کامیاب و اندر حالیکہ ہمارے سربستہ ... آسمانی نغمہ میں ہے یہ یقینی امر ہے کہ اس کی کسی خوراک میں وقت اور بدمزگی کا کوئی شائبہ تک نہیں ہے۔ اس کے اختیار سے سب سے پہلے فائدہ یہ ہوگا کہ ہندوستان ہی کم اور محکوم کے لطیف سے لطیف احساسات اور جذبات کے نقصان رسی کے اندیشوں کی وجہ سے جانوں اور مالوں، کارخانوں اور کاروبار میں جو دو طرفہ نقصان ہو رہا ہے وہ یک لخت بند ہو جائے گا۔ ملک کے مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک اطمینان کی ایک نئی روح دوڑ جائے گی۔ دوسرے یہ کہ سرکار برطانیہ نے صدیوں جان توڑ کوششوں سے جو نظم و نسق قائم کیا ہے وہ علیٰ حالہٖ باقی رہ سکیگا کسی تبدیلی کی قطعی حاجت نہیں۔ تیسرے باشندگان ہند اس متفقہ خلافت مشترکہ دو ہرم راج کے زیر سایہ بلا مداخلت غیری داخلی امور میں مختار کل رہکر برطانیہ کی دوستی میں آزادانہ زندگی بسر کرتے رہیں گے۔ دولت برطانیہ ہندوستان کے خارجی امور کی واحد مالک بن کر اس ملک سے ہر قسم فائدہ اٹھائے گی۔ اسی طرح بیرونی درندے اس سونے کی چڑیا پر اپنے دانت تیز کئے بیٹھے ہیں، ان کے دانت کھٹے اور عزائم پر پانی پھر جائے گا۔ ہر وقت مقابلہ اگر ایسی صورت پیدا ہو جانے پر جب کہ ہندوستانی بلا پس و پیش اپنی ساری صلاحیتیں اس امر پر مرکوز کر دے گا، نتیجۃً دولت برطانیہ کا دول ہائے اسلامیہ سے [illegible] مودت استوار ہو جائے گا۔ ظاہر ہے کہ یہ چیز کسی قیمت پر بھی حاصل نہیں کی جا سکتی۔ وَبِاللّٰہِ التَّوفِیق۔ فقط

مرقوم ۱۳/ اپریل ۱۹۴۳ء۔

صدیق [illegible] ہند ارجن [illegible]

صدر جمعیت خلافت [illegible]

بازیگاہ سلوک کا نامور کھلاڑی سرمد شہید

بقیہ مضمون سلسلہ گزشتہ

حضرت سرمد کے خطوط

(اس خط میں مسئلہ طریقت کا بیان ہے اور اس میں وحدت الوجود کے مسئلہ پر روشنی ڈالی گئی)

خط نمبر (۱)

به برادرم شاه نعمت الله را آنچه آگاه دریائے توحید چناں عمیق است که آنکس که موحد تحقیق است پس اے عزیز موحد آں است که نه شاهد را داند نه مقصود را۔ نه راکع را داند نه مرکوع را۔ نه ساجد را داند نه مسجود را۔ نه خود را داند نه معبود را۔ نه عدد را داند نه معدود را۔ خود شاهد است و خود مشهود۔ خود مقصد است و خود مقصود۔

دائم در ذکرِ قلب هو الله است محمد رسول اللہ او را تکیہ و پناہ است در سّرِ لا الٰہ الا اللہ مقصودش محمد رسول اللہ است ۔ رفیع قلندر را ایں رسم و راہ است ۔ من فہم فہم عقل و نفس رام شد مقصود تمام شد

خط نمبر (۵) بہ برادرم شکر اللہ بخاری را ۔ آنہا آنکہ جانِ جاناں جدا نیست ۔ بندہ کہ خود خدا نیست خود را دیدان روا نیست ۔ احمد را دیدن خطا است کہ ظاہر و باطن جز مصطفےٰ نیست کور را منفعت تو تیا نیست ۔ چنانچہ می فرمائد انا احمد بلا میم ۔ اما ایں صدا در گوش ہر بے سر و پا نیست من فہم فہم عقل و نفس رام شد مقصود تمام شد ۔

یہ ہے اس سوختہ سامان محبت کا دین و ایمان ۔ اور یہ ہے اس شہسوار میدان عرفانیت کا تذکیہ قلب جس کو ملاؤں نے ملحد و بے دین اور واجب القتل قرار دیا تھا ۔ کہتے ہیں کہ جب جلاد تیغ بکف حضرت کے سامنے آیا تو آپ نے نہایت اطمینان قلب کے ساتھ فرمایا "بیا بیا بہر رنگے کہ می آئی من ترا خوب می شناسم" یہ کہکر سر جھکا دیا ۔ جلاد نے ایک ہاتھ مارا اور سر عشوہ دیت تن خاکی سے جدا ہو کر وہ تماشا دکھلا گیا جس کو عارف کی چشم باطن ہی دیکھ سکتی تھی ۔ مشہور ہے کہ جب حضرت سرمد کا سر تن سے جدا ہوا تو اس نے بآواز بلند کلمہ طیبہ پڑھا ۔ معشوق حقیقی کی حمد و تعریف کرکے خاموش ہو گیا ۔ حضرت کا مزار جامع مسجد دہلی کے مشرقی دروازے کے نیچے واقع ہے اور لوح مزار پر یہ تاریخ کندہ ہے ۔

شاہ سرمد در عہد عالمگیر ؎ چوں سفر ساختہ بخلد بریں
گفت تاریخ اکبرِ مسکیں ؎ لحد مرقد شہید سرمد دیں

سنہ ۱۰۷۰ ہجری

(باقی آیندہ حصہ رباعیات منتخبہ)

آزاد صدیقی

موت (نظم)

ہوش کر ہوش ترا طرز عمل خوب نہیں ؎ سامنے گھات لگائے ہوئے بیٹھی ہے موت
یہ تری ٹیڑھ نہ بن جائے ہلاکت کی کٹھاس ؎ ورنہ مکھی کی طرح آ کے گھستی ہے موت
جس نے خود اپنے سنبھلنے کا ارادہ نہ کیا ؎ اس کی تقدیر میں اللہ نے لکھی ہے موت
دیکھ تیرا ل بھنور آنے سے پہلے ہی سنبھل ؎ ورنہ پھر لاکھ کبھی تڑپا تو یقینی ہے موت

(سعید بن وحید بالاپور ضلع اکولہ برار)

تنقید و تبصرہ

اسلام اور موجودہ جنگ مصنفہ مولانا محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور۔

مولانا محمد علی صاحب اپنی اعلیٰ علمی قابلیت کی وجہ سے نہ صرف مسلمانوں ہی میں مشہور ہیں بلکہ مغربی ممالک میں بھی خاص شہرت کے حامل ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے شخص کی کتاب جو اپنی علمی قابلیت کی وجہ سے شرق و مغرب میں شہرت رکھتا ہے کتنی قابل قدر ہو گی۔ کتاب "اسلام اور موجودہ جنگ" نہایت مختصر ہے۔ مگر مصنف کی علمی قابلیت نے اس کو اپنے موضوع میں نہایت ہی جامع و مفید بنا دیا ہے۔

(۱) آپ نے مدلل طور پر ثبوت دیا ہے کہ موجودہ جنگ یورپ کی اپنی تہذیب کا پیدا کردہ ہے اور موجودہ جنگ کی آگ انسانوں کی مال سے محبت اور اقتدار کی ہوس نے جلائی۔ اور یہ دلوں پر دہریت کے غلبہ اور خدا سے غافل ہونے کا نتیجہ ہے۔

(۲) اور واضح کیا ہے کہ موجودہ جنگ یورپ کی بیماریوں کا علاج ہے۔ اور یہ دنیا کو کسی بہتر نظام کی طرف لیجائے گا۔ اگرچہ یہ انسانوں کے اعمال کا نتیجہ ہے مگر رب العالمین جو تدریجاً مخلوق کو کمال تک پہنچانے والا ہے بعض وقت کمال تک پہنچانے کے لئے دکھوں اور عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اور یہ ثابت کیا ہے کہ اس جنگ میں حکمت کاملہ یہی ہے کہ یورپ کی طاقتور قومیں اللہ تعالیٰ کے آگے سر نیاز خم کریں۔

(۳) اس پر مختصر مگر جامع بحث کی گئی ہے کہ "بہتر نظام کس طرح پیدا ہوگا" اس کا تاریخی و واقعاتی ثبوت دیا گیا ہے کہ مختلف قوموں کی نمایندہ کانفرنس بہتر نظام جو باہم محبت پر مبنی ہو نہیں قائم کر سکتی۔ بہتر نظام ذہنیت کی تبدیلی پر منحصر ہے۔ اور اس بات کا مکمل ثبوت دیا گیا ہے کہ اسلام ہی کے اصول دنیا میں بہتر نظام پیدا کر سکتے ہیں۔

(۴) اس کتاب میں سب سے زیادہ قابل ذکر بات یہ ہے کہ موجودہ جنگ کا ذکر بطور پیش گوئی قرآن کریم میں موجود ہے۔ اقوام مقام اور گیس۔ وجوہات جنگ سب کی قرآنی پیش گوئیوں میں نشاندہی کی گئی ہے۔ آیات قرآنی بغیر کسی تاویل کے موجودہ جنگ پر منطبق ہوتی ہیں۔ مولانا کی اعلیٰ قابلیت اور لطیف تشریح نے ایک خاص ندرت پیدا کر دی ہے جو جدید تعلیم یافتہ حضرات کے لئے باعث رہنمائی ہو گی۔

(۵) مولانا رجائی ہیں اور ہر مذہبی انسان رجائی ہوتا ہے۔ قنوطیت نفسیاتی نقطۂ نظر سے انفرادی

انفرادی زندگی کے لئے مفید تو ہو سکتی ہے ۔ مگر اجتماعی زندگی کے لئے محرک عمل نہیں ۔ انسان کی دو حیثیتیں ہیں ۔ انفرادی و اجتماعی ۔ ان کا موزوں تقسیم ۔ جامعیت میں پنہاں ہے ۔ رجائیت محرک عمل ہے ۔ تمدن و تہذیب بلکہ زندگی کے ہر پہلو کی جان ہے ۔ مولانا کا اس کتاب میں یہ خیال کہ بعد جنگ یورپ کی اکثریت کا غالب مذہب اسلام ہو گا یورپ میں تبلیغی جد و جہد کرنے والوں کو سرگرم عمل کر دے گا ۔

(۶) آخر میں آپ نے ان مساعی اور کارگزاریوں کا ذکر کیا ہے جو ان کی جماعت نے یورپ میں انجام دیا ہے ۔ اور مسلمانوں میں افتراق کا ذکر کرتے ہوئے ان کی جماعت کے متعلق عام طور پر جو خیالات ہیں اور جن کو مولانا غلط فہمیاں سمجھتے ہیں صفائی کی ہے ۔ لیکن یہ بات کچھ عجیب ہے کہ مولانا نے ان کو اتنی اہمیت کیوں دی جن کو خود اہم خیال نہیں کرتے ۔ جب وہ خود بیان فرماتے ہیں کہ وہ قادیانی جماعت کی طرح مسلمانوں کی تکفیر نہیں کرتے اور بانی سلسلہ احمدیہ کو نبی نہیں مانتے ۔ تو اس کے جو جتنے مسائل ہیں سب فروعی رہ جاتے ہیں ۔ فروعات کو اہمیت دینا غلط فہمی بڑھانا ہے ۔ وہ یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ مسلمان ان کے ساتھ اشتراک عمل و تعاون کریں ۔ مگر جماعت میں شامل ہونے کی دعوت فروعی بلکہ فرقہ پرستی کا پتہ دیتی ہے ۔ مولانا جیسے وسیع النظر عالم کے قلم سے یہ بات بھی معلوم نہیں ہوتی ۔ جب وہ خود اس کے قائل ہیں کہ **اسمہ احمد** کی بشارت کے مصداق صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۔ اور اسی نام سے ان کے تبلیغی سلسلہ کی بنیاد رکھی گئی ہے ۔ تو پھر کیوں ان کی جماعت میں شامل ہونے والا ہی احمدی کہلائے اور دوسرے مسلمان غیر احمدی کہلائیں ؟ عقائد میں اختلاف رہا اور رہے گا ۔ یہ علوم دینی کے کھلنے کا ذریعہ ہے ۔ ذہنی ارتقا کا انحصار اور ذہنی غلامی سے نجات کا یہی ایک راستہ ہے تبلیغ اسلام میں جو مشترک کام ہے جس کا مقصد اشاعت کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے ۔ فروعات کو اتنی اہمیت نہ ہونا چاہئے ۔ یہی چیز اس مشترک کام میں افتراق کا باعث ہوتی ہے ۔ امید کہ مولانا اس طرف توجہ فرمائیں گے اور قادیانی جماعت کے طعنوں کی پروا نہ کر کے احمدیت کے تنگ نظر مفہوم کو وسیع فرمائیں گے ۔ احمدی و غیر احمدی کے افتراق کو مسلم و غیر مسلم کے مفہوم تک وسیع کریں گے ۔ مگر قادیانی مفہوم میں نہیں کہ بانی سلسلہ احمدیہ کا ماننے والا ہی احمدی ہے اور وہی مسلمان ۔ باقی سب کافر ۔ یہ نئے دین کی ایجاد ہے جس کی بو قادیانی لٹریچر سے آ رہی ہے ۔ بلکہ ہر ایک مسلمان احمدی ہے خواہ وہ سلسلہ احمدیہ کے بانی کو مانے یا نہ مانے ۔ کیونکہ اسمہ احمد کے مصداق حضرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۔

کتاب "اسلام اور موجودہ جنگ" عام نقطۂ نظر سے چند اختلافی مسائل کو چھوڑ کر نہایت ہی جامع، مدلل اور مفید کتاب ہے (حجم ۸۴ صفحہ ۔ سائز ڈیمی) یہ کتاب ان پتوں پر ایک کارڈ لکھنے پر مفت مہیا ہوتی ہے ۔ (۱) سکریٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام احمدیہ بلڈنگس لاہور ۔ (۲) مولوی محمد انعام الحق صاحب بمکان بی کلاس محلہ اعظم پورہ ملک پیٹھ ۔ (ع ق)

مولوی میر علی احمد صاحب جاگیردار۔ مولوی حکیم حافظ محمد یعقوب صاحب قادری رئیس شہر حیدرآباد سندھ کے مشہور اور پبلک کی خدمت کرنے والے اشخاص ہیں ہمارے کام سے بہت دلچسپی رکھتے اور بڑی گرمجوشی سے کام کر رہے ہیں۔

بتاریخ ۲۵/ فروری ۱۹۴۳ء۔ گدک ضلع دھاڑواڑ میں عام جلسہ ہوا جس میں ہندو کثرت سے شریک تھے مسلمانوں میں خلیفہ اور ہندوؤں میں دھرم راجہ کی شخصیت حضور نظام نواب میر عثمان علی خان بہادر آصفجاہ سابع مانے گئے اور اس جلسہ کے صدر محمد یٰسین صاحب جاگیردار تھے۔ متفقہ طور پر ہندو مسلمانوں نے خلیفہ یا دھرم راجہ کی قرارداد بحق حضور نظام جلالتہ الملک نواب میر عثمان خاں بہادر آصف جاہ سابع بغیر کسی مخالفت کے منظور کی۔

بتاریخ ۷/ مارچ ۱۹۴۳ء بمقام ایبٹ آباد (سرحد) مسلمانوں کا عام دوسرا جلسہ ہوا جس میں ایک صوبائی مجلس خلافت مشترہ قائم ہوئی۔ مولوی افضل خاں صاحب جدون صدر مقرر ہوئے۔ مولوی غلام ربانی صاحب معتمد اور حافظ قاری محمد شریف صاحب خازن مقرر ہوئے۔ اور ارکان کے اسماء یہ ہیں۔

مولوی نور عالم صاحب عالم دیوبند۔ سردار قوم خان یعقوب خاں صاحب۔ محمد عجیب خاں صاحب ایڈیٹر اخبار انکشاف۔ مولوی قاضی قوم صاحب جدون۔ محمد اسلم خاں صاحب۔ راجہ عزیز الدین صاحب۔ مولوی عبدالعزیز صاحب۔ ظریف خاں صاحب۔ ایم۔ ایس علی زماں ملتان صاحب۔ دین محمد صاحب۔ روشن دین صاحب کرم خاں صاحب۔

بتاریخ ۱۰/ مارچ ۱۹۴۳ء بمقام کوٹری علاقہ سندھ عام مسلمانوں کا ایک جلسہ ہوا۔ اس کے صدر فقیر مولوی عبدالحق صاحب تھے۔ تحریک قرارداد انہیں کی طرف سے رہی۔ لال محمد صاحب سوداگر نے تائید کی اور مزید تائید عبدالمجید صاحب کلرک نے کی۔ بغلبہ آراء قرارداد منظور ہوئی۔

بتاریخ ۱۴/ مارچ ۱۹۴۳ء بمقام رجوعیہ صوبہ سرحد ایک باضابطہ خلافت کمیٹی مقرر ہوئی جس کے صدر جناب پیر محمد ولایت خاں صاحب سجادہ رجوعیہ منتخب ہوئے۔ جنرل سکریٹری پیر سلطان العارفین صاحب۔ سکریٹری خاص مولوی عبدالحق صاحب سجادہ نکوٹ شریف اور خازن سید اکبر صاحب پوسٹ ماسٹر مقرر ہوئے۔

بتاریخ ۲۴/ مارچ ۱۹۴۳ء۔ پنڈرپور میں مسلمانوں کا ایک عام جلسہ ہوا۔ بصدارت مولوی عبدالکریم صاحب رئیس۔ مولوی عبداللہ صاحب نے خلافت کی قرارداد پیش کی۔ مولوی دستگیر صاحب نے تائید کی۔ قرارداد بغیر مخالفت کے منظور ہوئی۔

اندور ریاست میں مولوی احمد حسین صاحب کے متعدد وعظ ہوئے۔ خلافت کے لئے پبلک نے عام رضامندی

ظاہر کی۔ اندور اسٹیٹ سے خبر آئی ہے کہ جلالت الملک نواب میر عثمان علیخاں بہادر آصف جاہ سابع کے خلیفہ بادعدم راجہ ہونے کی قرارداد بغیر کسی مخالفت کے آٹھ ہزار کے مجمع میں منظور ہوئی۔

مولوی عبد الغنی صاحب مبلغ اسلام جھانسی میں کام کر رہے تھے۔ وہاں اس کمیٹی کا صدر مقام بنایا گیا ہے جو زیر صدارت مولوی محمد رفیق صاحب قادری وصابری نائب عزیز ہند خلافت مبشرہ کے صوبائی مجلس کا کام انجام پایا۔

پنجاب کے مبلغین کی درخواست مجلس دارالخلافت نے مولوی افضل خاں صاحب کو پنجاب کا صدر مقرر کیا ہے اور ضلع ایبٹ آباد کو صوبۂ سرحد سے علٰحدہ کر کے صوبۂ پنجاب میں ضم کیا ہے۔

جامع جمیع کمالات مولوی سید قاسم صاحب نے کرناٹک میں کام کرنے کے لیے ہبلی کو صدر مقام مقرر کیا ہے مشہور جلسہ میلاد النبی میسور میں کمیٹی کی تقریر کے لئے مولوی صاحب موصوف طلب کیا گیا تھا۔ علاوہ علاقہ کا جلسہ بتاریخ ۲۷/ مارچ مقرر ہے جس میں مولوی سید قاسم صاحب بھی رہیں گے۔ امام القوم مولوی نذیر صاحب جلسہ میں شرکت کیلئے اور دیگر انتظامات کے لئے دارالخلافت سے جارہے ہیں۔

گنٹور میں مولوی سراج الدین صاحب مسیح الزماں اور سراہند مولوی یٰسین علی صاحب اور مولوی دستگیر صاحب نارو کے تلنگی اور اردو میں متعدد وعظ ہوئے۔ ہندو اور مسلمانوں نے بشرہ خلافت یا دعدم راج سے اتفاق کیا۔ ایک زبردست مشترکہ کمیٹی قائم ہو رہی ہے اور مولوی دستگیر صاحب مستقل طور پر گنٹور کے مبلغ مقرر ہوئے ہیں۔ اس تحریک کی کتب کا ترجمہ تلنگی زبان میں نارو صاحب خود کر رہے ہیں اور بیبی بخوشی بطیب خاطر مالی امداد کر رہی ہے۔

ابوالخیر حسین مختار عام سجادہ بوٹن۔
آصف نگر حیدرآباد دکن

اعلان دفتر ماہنامہ آواز سکندرآباد (دکن)

ناظرین کو بخوبی علم ہے کہ ماہنامہ "آواز" کا اولین پرچہ جس مقصد حیات کو لیکر اٹھا تھا بفضل خدا آج بھی اس پر عمل پیرا ہے ہر قدم پر اپنی صداقت کے وہی نقوش چھوڑتا چلے آرہا ہے۔ زمانۂ موجودہ میں معاشی وسائل کی بندشوں سے جبکہ عرصۂ حیات تنگ ہو رہا ہے کاغذ و سیاہی کی گرانی تشہیر و اشاعت کے کاموں میں حائل ہو رہی ہے عوام کی لادینی سیاسی مسائل سے مذہب والے دوچار ہو رہے ہیں باوجود ان مشکلات کے ماہنامہ "آواز" دنیائے صحافت میں اپنے وجود کا آپ شاہد ہے۔ قدیم خریداروں کی مدت خریداری ختم ہو کر عرصہ دراز گزرا مگر ادارہ آواز نے کبھی ادائی چندہ کی طرف ان کو کوئی توجہ نہیں دلائی اور نفس معاملہ کو ان کی اپنی یادداشت پر چھوڑ دیا۔ بلکہ بلا پس و پیش ماہانہ پرچہ جات ان کے نام بھیجے جاتے رہے۔ چنانچہ سال حال ۱۳۶۲ھ میں بھی ماہ محرم و صفر کے دو پرچے پہنچائے جا چکے ہیں اس وقت ماہ ربیع الاول و ربیع الثانی ۱۳۶۲ھ کی اشاعت ان حضرات کے زیر مطالعہ ہے لہذا آخری نظر ان پرچہ جات کے جو بلا حساب کتاب روانہ کئے گئے ہیں اطلاع دیجاتی ہے کہ ۱۳۶۲ھ کے مزید اشاعتوں کی وصولیابی کیلئے چندۂ سالانہ (۱۲) کلدار یا (...) روپیہ سکہ عثمانیہ بذریعہ منی آرڈر روانہ فرمائیں یا ماہ جمادی الاول ۱۳۶۲ھ کا پرچہ بذریعہ وی پی روانہ کرنے کے لئے اپنی اجازت مرحمت فرمائیں۔ انشاء اللہ ماہ جمادی الاول ۱۳۶۲ھ جواب کا انتظار کیا جائے گا۔

اس کے بعد ہمارا یہ خیال بیجا نہ ہوگا کہ ان حضرات کو ماہنامہ آواز کی اب ضرورت نہیں ہے۔ یاد رکھنے کے قابل بات یہ ہے کہ جن حضرات نے ماہنامہ آواز کے ابتدائی ایام میں خریداری قبول کی تھی ان کی رقم خریداری آواز کی ان بنیادوں کو مستحکم کرنے میں بطور خشت کام دی تھی۔ آج بھی اسی طرح آواز کے تعمیری کاموں میں ادارۂ آواز ان حضرات کے دست شفقت کی طرف دیکھ رہا ہے۔

امید کہ قدیم کرم فرما ناظرین آواز کو اپنا ذاتی مذہبی پرچہ تصور فرما کر اس کی خریداری کو قبول فرمائیں گے اور اپنے زیر اثر دوست احباب تک ہماری آواز کو پہنچانے کے لئے دو چار قدم آگے بڑھیں گے۔ ادارۂ آواز آپ کی اس عنایت کا شکرگزار رہے گا اور وہ عنداللہ ماجور و مثاب ہوں گے۔ وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

منیجر

ناظرین آواز انتظار کریں:۔ ماہنامہ آواز کے ماہ جمادی الاول ۱۳۶۲ھ کی اشاعت میں تقدس مآب حضرت مولانا صدیق دیندار چن بسویشور صاحب قبلہ کا ایک خاص مضمون "روح کا راز" شائع ہوگا۔ حضرت قبلہ نے اس مضمون کو سرور عالم یعنی جگت گرو میں حقیقت محمدی کو فلسفیانہ رنگ میں پیش کرنے کیلئے بطور تمہید لکھا ہے۔ اور نفس مقدسہ کی تفہیم کے لئے حقیقت انسان پر بڑی وضاحت کیساتھ کیا نہ بحث کی ہے اس مضمون کے مطالعہ سے انشاء اللہ [illegible] کا حال معلوم ہوگا اور اس کے سننے والے مستفید ثابت ہوں گے۔ منیجر

مطبوعہ [illegible] حیدرآباد دکن